جلد 2 شمارہ 10 دسمبر 2000ء رمضان المبارک 1402ھ

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝ (الرعد)

آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کا۔ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانہ ہے۔

ماہنامہ

آدمیت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اغراض و مقاصد

- کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول ﷺ، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالےٰ کے قرب و عرفان اور اسکی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا۔
- حضور ﷺ کے اصحابہ کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نہایت ہی مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ و نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا، عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا، تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و اعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا۔
- اللہ تعالی کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا۔ اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالی کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے انکے اخلاق کی اصلاح کرنا۔

عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ آدمیت فلاح گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 2 شمارہ 10 دسمبر 2000ء رمضان المبارک 1402ھ

ایڈیٹر عبدالقیوم ہاشمی شعبہ سرکولیشن وحید احمد

قیمت ——— -/15 روپے سالانہ فنڈ ——— -/150 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:
محمد صدیق ڈار توحیدی
کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:
عبدالقیوم ہاشمی
تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ
Ph:0431-260734

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519
E-mail: time005@samw.com.pk

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

اس وقت دنیا میں ملت اسلامیہ کے سوا تمام اقوام کے نظریات و قوانین کسی نہ کسی شکل میں فطرت انسانی کے خلاف، انسان دشمنی اور انسان سوزی میں مصروف ہیں۔ قرآن کریم ہمیں قوموں کے عروج و زوال کے بنیادی اصول و امور سے انتہائی بلیغ انداز میں آگاہ کرتا ہے۔ جب ایک قوم کے زوال کا آغاز اس کی عوام کو محسوس ہونے لگتا ہے اس سے پہلے اس کے طبقہ اعلیٰ یعنی حکام، امراء اور علماء اخلاقی معیار کی گھٹیا ترین سطح پر پہنچ چکے ہوتے ہیں۔ سلسلہ علت و معلول جو کہ اللہ تعالیٰ کی ایک سنت ہے کے مطابق عوام میں زوال و تباہی کے اثرات اس وقت پہنچتے ہیں جب کافی حد تک پانی سر سے گذر چکا ہوتا ہے۔

غیر مسلم اقوام کے زوال کی سب سے بڑی وجہ تو ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا ایک ایسا وسیع خلاء ہے جو کسی طرح بھی پر نہیں ہو سکتا اور وہ ہے اللہ اور روز آخرت پہ ایمان۔ لہٰذا یہ قومیں بمشکل ایک ڈیڑھ صدی تک ہی دنیا کے سٹیج پر اپنا کھیل دکھلا کر پردہ سکرین سے غائب ہو کر قصہ ماضی بن جاتی ہیں۔

موجودہ ملت اسلامیہ کی بنیادی خامی ایمان کی کمزوری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان بحیثیت ملت اس وقت فلاح انسانیت کے نقطہ نظر سے ناکارہ سمجھے جاتے ہیں۔ لہٰذا جب بھی کوئی اسلامی جماعت یا اسلامی ملک ایمانی ہتھیار کے بغیر ہی اسلام کی قوت و شوکت کا مظاہرہ کرنا چاہتی ہے تو وہ ناکامی سے دوچار ہو جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف اسی قوم کو انسانیت کی خدمت کے فرائض سونپتے ہیں جس کے اصول عدل و انصاف اور فطرت کے تقاضوں کے کم سے کم معیار پہ ضرور پورے اترتے ہوں۔

اسلامی دنیا اگر اپنی کھوئی ہوئی شان و حشمت اور خدمت انسانیت کے جذبے کو دوبارہ بحال کرنے کی خواہاں ہے تو اس کے لئے سب سے بڑی اور اشد ضرورت یہ ہے کہ اس کا طبقہ اعلیٰ یعنی علماء، امراء اور حکام ایمانی کیفیات سے مزین ہوں۔ ورنہ مسلمانوں کی ظاہری صورت نہ تو دنیا کے حالات سدھار سکتی ہے اور نہ ہی صورت اسلام حقیقت ایمان کے نعم البدل کے طور پہ کام آسکتا ہے۔

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے غلبے اور حکمرانی کے جتنے بھی وعدے فرمائے وہ ایمان کی مضبوطی سے مشروط ہیں سورہ المومن میں ارشاد فرمایا۔

انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد

"میں لازماً اپنے رسولوں کی مدد کرونگا اور ان کی بھی جو اہل ایمان ہیں اس دنیوی حیات میں بھی اور روز آخرت میں بھی جب گواہ کھڑے ہونگے"

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین

"سست اور غمگین مت ہو' تم ہی سربلند ہو گے اگر تم (حقیقتاً") صاحب ایمان ہو"

وعد الله الذین امنوا منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا

"ان لوگوں کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے جو ایمان رکھتے ہیں اور جن کے عمل صالح ہیں کہ ان کو زمین کی خلافت سے سرفراز کریگا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو کیا اور ان کے دین کو جو اللہ کا پسندیدہ ہے اقتدار عطا فرمائے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا"۔

ان قرآنی آیات سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ موجودہ دور میں ملت اسلامیہ سے ایسی قیادت ابھی تک منظر عام پہ نہیں آئی جو ایمانی کیفیات سے بھرپور ہو اور ان کا اللہ پہ ایمان غیر متزلزل اور توحید کامل کا نمونہ ہو۔

یاایھا الذین امنوا امنوا

"اے مسلمانو! ایمان میں ترقی کرو"

آنحضور ﷺ نے فرمایا۔

ان الله لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن الی قلوبکم واعمالکم

اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

مسلمانوں کی ایمان کی کمزوری کی نشاندہی قرآن و سنت سے بالکل واضح ہو رہی ہے۔ دیگر اقوام نے مسلمانوں کی ایمانی کمزوری کو اسلام کی شکست سمجھ لیا ہے حالانکہ حقیقی اسلام صدیوں سے میدان دنیا میں رونمائی سے محروم ہے۔ لہٰذا اس وقت امت مصطفیٰ ﷺ کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ مسلمانوں کے طبقہ اعلیٰ یعنی ارباب اقتدار' علماء کرام' دانشوران اسلام اور سیاسی حضرات کو روح اسلام اور حقیقی ایمان سے آشنا کیا جائے۔

اللہ کے فضل و کرم سے پاکستان میں حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے سلسلہ توحیدیہ کے قیام سے اس ذمہ داری کا آغاز فرمایا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ دانشور حضرات اور علمائے کرام سلسلہ توحیدیہ کی تعلیمات سے مکمل آگاہی کے لئے حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تمام تصانیف بالخصوص "تعمیر ملت" کا بغور مطالعہ فرمائیں۔

برادران سلسلہ پہ لازم ہے کہ وہ انقلابی و جہادی بنیادوں پہ سلسلہ توحیدیہ کی تعلیمات کو ان حضرات تک ضرور بہم پہنچائیں تاکہ مسلم معاشرہ زیادہ سے زیادہ اہل ایمان افراد میں بدل جائے تاکہ اہل ایمان کی ایک جماعت کی تشکیل عمل میں آسکے ورنہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ محض ایک خواب ہی رہے گا۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے ملت کی تعمیر کے لئے توحید کامل یعنی ایمان کی پختگی پہ بے حد زور دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضرت صدیق اکبرؓ سے ملت کی تعمیر کے لئے نصیحت طلب کی جسے علامہ صاحب نے اشعار میں یوں بیان کیا ہے۔

رنگ او بر کن مثال او شوی
در جہاں عکس جمال او شوی

اس رب تعالیٰ کا رنگ اختیار کیجئے اور اس کی طرح ہو جائیے۔

آنکہ نام تو مسلماں کردہ است
از دوئی سوئے یکی آوردہ است

وہ یعنی (ابرہیم علیہ السلام) جس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے وہ تجھے شرک و دوئی سے چھڑا کر توحید کی طرف لایا ہے

خویشتن را ترک و افغان خواندہ
وائے بر تو آنچہ بودی ماندہ

"تو خود کو ترک اور پٹھان کہتا ہے تجھ پر افسوس ہے تو جو تھا وہی رہا"

وارہاں نامیدہ را از نامہا
ساز باخم در گذر از جامہا

"ناموں سے امت مسلمہ کو رہائی دلا' اسلام کے خم کے ساتھ موافقت کر اور پیالوں (فرقہ پرستی) سے گزر جا"

اے کہ تو رسوائے نام افتادہ
از درخت خویش خام افتادہ

"اے مسلمان تو جو ناموں میں رسوا ہو گیا ہے اپنے درخت سے کچے پھل کی طرح گر گیا ہے"

بایکی ساز' از دوئی بردار رخت
وحدت خود را مگر داں لخت لخت

"تو توحیدی بن جا اور دوئی چھوڑ دے اور اپنی وحدت کو پاش پاش نہ کر"

اے پرستار یکی گر تو توئی
تا کجا باشی سبق خوان دوئی

"اے توحید پرست اگر تو واقعی توحیدی ہے تو پھر کب تک تو دو رنگی اور شرک کا سبق پڑھتا رہے گا"

تو در خود را بخود پوشیدہ
در دل آور آنچہ برلب چیدہ

"تو نے اپنا دروازہ اپنے پہ خود ہی بند کیا ہوا ہے جو کچھ (کلمہ توحید) ہونٹوں سے پڑھتا ہے اسے دل میں بھی اتار"

صد ملل از ملتے انگیختی
برحصار خود شبخوں ریختی

"تو نے ایک ملت سے سینکڑوں ملتیں بناڈالیں اپنے قلعے پہ تو نے خود ہی شب خوں مارا ہے"

یک شود توحید را مشہود کن
غائبش را از عمل موجود کن

"تو متحد ہو جا اور توحید کو عملی رنگ میں پیش کر اور اس کے انجام کو اپنے عمل سے موجود کر"

لذت ایماں فزاید در عمل
مردہ آں ایماں کہ ناید در عمل

"ایمان کی لذت عمل سے بڑھتی ہے وہ ایمان مرجاتا ہے جس پہ عمل نہ کیا جائے"

مسلم استی بے نیاز از غیر شو
اہل عالم را سراپا خیر شو

"اگر تو مسلمان ہے تو غیروں سے بے نیاز ہو جا اور دنیا والوں کے لئے از سر تا پا خیر ہی خیر ہو جا"

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ایمان والی زندگی عطا فرمائے اور ملت واحدہ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین یا رب العالمین)

(والسلام عبدالقیوم ہاشمی)

درس قرآن

(پروفیسر قاضی حلیم فضلی)

لعن طعن اور برے ناموں سے پکارنا

ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولئک ھم الظلمون

"آپس میں ایک دوسرے پر لعن طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے ناموں سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد برے ناموں سے مشہور کرنا بری بات ہے' جو لوگ ایسا کرنے سے توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔

تفسیر و تشریح

سورہ الحجرات کی روشنی میں انسانی زندگی کی باہمی محبت' ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے اور خوشگوار تعلقات و روابط کی فضا کو خراب کرنے والے گزشتہ اسباب و وجوہات کے علاوہ ایک سبب یہ بھی ہے جس کا مشاہدہ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں کرتے ہیں کہ بعض لوگ اپنی کسی بڑائی' مرتبے اور شان کے غرور میں آکر دوسروں پر لعن طعن کرتے ہیں اور اسی برتری کے احساس میں دوسروں کے طرح طرح کے نام رکھ کر ان کی تذلیل و توہین کی جاتی ہے۔ اس طرح ایک طرف وہ اپنے نفس کی تسکین چاہتے ہیں تو دوسری طرف اسے معاشرے کا قابل نفرت انسان بناتے ہیں۔

دوسروں کو ذلیل جاننا' خواہ کسی سبب اور وجہ سے ہو' مہذب سوسائٹی میں بھی اور اسلامی اخلاق و کردار کے لحاظ سے بھی انتہائی ناپسندیدہ فعل ہے۔ مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس مذموم فعل سے منع فرمایا ہے۔ لعن طعن کرنا' دوسروں کو برے القاب و آداب سے پکارنا' ایمان لانے کے بعد خود کو بھی اور دوسروں کو بھی برے ناموں سے مشہور کرنا قابل شرم اور لائق ملامت بات ہے۔

لمز کا لفظ عربی زبان میں طعن و تشنیع کے علاوہ دوسرے بہت سے مفاہیم کے لئے بھی بولا جاتا ہے' چوٹیں کرنا' پھبتیاں کسنا' نام دھرنا' اعتراض جڑنا' عیب چینی کرنا' کھلم کھلا یا اشاروں کنایوں میں

یا زیر لب کسی کو نشانہ ملامت بنانا' یہ سب حرکتیں انسانوں کے باہمی تعلقات کو خراب کرتی ہیں اور تعلقات کی یہ خرابی معاشرتی روابط میں پھوٹ ڈال دیتی ہے۔ اسی لئے انہیں حرام قرار دیا ہے۔ یہاں یہ باریک نکتہ قابل غور ہے کہ خداوند کریم نے ولا تلمزوا بعضکم بعضا کے بجائے انفسکم کا لفظ استعمال فرمایا ہے' یعنی یہ نہیں فرمایا کہ تم ایک دوسرے کو ملامت نہ کرو بلکہ یہ فرمایا ہے کہ تم اپنے آپ کو لعنت و ملامت نہ کرو۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دوسروں کو طعن و ملامت کرنے والا خود کو دوسروں کی ملامت کے لئے پیش کرتا ہے۔ کسی شخص کی زبان دوسروں کے خلاف اس وقت تک نہیں کھلتی جب تک اس کے دل میں برے جذبات کا لاوا پھوٹ نہ پڑے اور برے جذبات کا یہ لاوا اسی وقت پھوٹ پڑتا ہے جب دوسرا اسے لعن طعن میں پہل نہ کرے۔ اسطرح گویا برے جذبات' حقارت' نفرت اور دشمنی کے جذبات کو پالنے والا دوسروں سے پہلے خود اپنے نفس کو برائی کا نشانہ بناتا ہے' جب وہ دوسروں کا طعن و تشنیع کا نشانہ بناتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ خود پر چوٹیں کرتا' خود پر طعن کرتا ہے اور خود کو دوسروں کی ملامت کے لئے پیش کرتا ہے۔ وہ خود کو دوسروں کے طعن و تشنیع کے تیر پھینکنے کی دعوت دیتا ہے۔

سمجھدار لوگوں کا کہنا ہے کہ دوسروں پر انگلی اٹھانے والے کی تین انگلیاں اس کی اپنی طرف ہوتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی آدمی اپنی شرافت سے اس کے حملوں کو ٹال دے' لیکن اس نے تو اپنے طور پر اپنے آپ کو مطعون کرنے کا دروازہ کھول دیا ہوتا ہے۔ دوسروں کی برائی کرنے والے لازمی طور پر خود برائی کا شکار ہوتے ہیں۔ دوسروں کا نام رکھنے والے خود اپنا نام رکھواتے ہیں' دوسروں کو طعن و ملامت کا نشانہ بنانے والے خود اپنے آپ کو دوسروں کی ملامت کا ہدف بناتے ہیں بلکہ ایسے لوگ خداوند تعالیٰ کے انتقام کے سزاوار بن جاتے ہیں۔

عدل و انصاف فقط حشر تک محدود نہیں
زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

ایسے لوگ قیامت کی سزا و عذاب سے پہلے خود اپنی زندگی میں برائیوں کی سزا بھگتتے ہیں۔ اپنے معاشرے' اپنے خاندانوں میں عبرت و نصیحت کی نظر سے دیکھیں تو آپ کو بے شمار ایسی مثالیں اور واقعات ملیں گے' جن میں دوسروں کو ملامت کرنے والے خود ملامتوں کا شکار ہوئے۔ ابولہب اور

اس کی زندگی اس کی بہترین مثال ہے۔ اس کی بے شمار دشمنانہ حرکتوں کے علاوہ ایک حرکت یہ بھی تھی کہ وہ حضور ﷺ کی اولاد نرینہ زندہ نہ رہنے کے سبب سے حضور ﷺ کو لعن طعن کا نشانہ بناتا رہتا۔ حضور ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم کی وفات پر مشرکین مکہ کو حضور ﷺ کی دل آزاری کی، دکھ پہنچایا۔ جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان شانئک ھوالابتر آپؐ کے دشمن ہیں لاولد ہیں۔ ابتر۔ ہیں کی خوشخبری سنائی اور یہ ہو کر رہا۔ خود ابولہب کی اولاد حضور ﷺ کی دست بازو بنی، مگر ابولہب اپنی بیماری اور موت کے وقت بے یارو مددگار پڑا رہا۔ اس کی متعدی بیماری کے باعث کوئی بھی قریب تک نہ گیا اور مرنے کے بعد مکان کا ملبہ گرا کر اس میں دفن کیا گیا۔ نہ دولت کام آئی، نہ سرداری نے ساتھ دیا اور نہ اولاد نے اس کے نسب و نسل کو زندہ رکھا اور حضور ﷺ ابولہب کے تشنیعی اور ملامتی الفاظ کے باوجود اس وقت سے لے کر آج تک بلکہ قیامت تک اپنے نسبی اور روحانی سلسلوں کے باعث زندۂ جاوید ہیں۔ دوسرون پر لعن طعن کرنے والوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں کہ اولاد کی بخشش اور محرومی دونوں خدا کے اختیار میں ہیں، نہ کوئی اولاد کی وجہ سے عزت مند ہوتا ہے اور نہ اس سے محرومی ذلت کا سبب ہے، کسی کو اولاد دے کر بھی اسی اولاد کے ہاتھوں ذلیل و رسوا کرتا ہے تو کسی کو محروم رکھ کر بھی عزت، نام اور شہرتوں کا مالک بنا دیتا ہے۔

قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

ویل لکل ھمزۃ لمزۃ الذی جمع مالہ وعددہ یحسب ان مالہ اخلدہ

ہلاکت اور تباہی ہے اس شخص کے لئے جو منہ در منہ لوگوں پر لعن طعن کرتا ہے اور پیٹھ پیچھے ان کی برائیاں بیان کرتا ہے۔ اسے اپنی دولت پر فخر ہوتا ہے، اسے گن گن کر رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ مال ہمیشہ اس کا ساتھ دے گا۔ حالانکہ ایسے شخص کا انجام دوزخ کی آگ ہے۔ ھمزۃ اور لمزہ کے دونوں الفاظ ہم معنی ہیں بعض اوقات تھوڑے سے فرق کے ساتھ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ انکا اکٹھا یہاں استعمال ہم معنی ہے یعنی اس شخص کی عادت ہو گئی ہے کہ وہ دوسروں کو دیکھ کر ان کی تذلیل و تحقیر کرتا ہے، کسی پر انگلیاں اٹھاتا ہے، آنکھوں سے اشارے کرتا ہے، کہیں منہ پر چوٹیں کرتا ہے، کہیں پیٹھ پیچھے برائی کرتا ہے، چغلیاں کھاتا ہے۔ برادریوں، خاندانوں اور افراد میں

دشمنیاں ڈالتا ہے، لوگوں کے برے نام رکھتا ہے۔ یہ سب کچھ اپنی مالداری کے غرور میں کرتا ہے۔ اسے اپنی دولت پر گھمنڈ ہوتا ہے۔ اس میں اضافہ کرتا رہتا ہے اور دولت سے اتنی وابستگی ہوتی ہے کہ ہر وقت گنتا رہتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ یہ مال ہمیشہ اس کا ساتھ دے گا اور اسے دوزخ کے عذاب سے بچائے گا۔ ایسا نہ ہوگا، اس کا ٹھکانہ حطمہ جیسی آگ ہوگی۔

غزوہ تبوک کے موقعہ پر لڑائی جیسے سامان کی بہم رسانی کے لئے حضور ﷺ نے چندے کی اپیل فرمائی۔ اوپر والی قسم کے کنجوس مالدار ہاتھ روکے بیٹھے رہے، مگر اہل ایمان نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان میں ایسے غریب بھی تھے جو اپنی دن بھر کی محنت مزدوری سے بچت کر کے خدا کی راہ میں جہاد کے لئے چندہ دیتے تھے تو مالدار ان کے تھوڑے سے چندے پر ہنستے، مذاق اڑاتے یا ریاکاری کے الزام لگاتے اور طعنے دیتے تھے کہ دیکھو جی اس حقیر سی امداد پر یہ لوگ روم کو فتح کرنے چلے ہیں۔ اس موقعہ پر ایسے لوگوں کو سختی کے ساتھ طعن و تشنیع سے منع فرمایا گیا۔ والذین لا یجدون الا جھدھم فیسخرون منھم سخراللہ منھم ولھم عذاب الیم اس آیت کا پہلا حصہ یوں ہے الذین یلمزون المطوعین من المومنین فی الصدقت جو مسلمان دل کھول کر خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جو غریب محنت مزدوری سے کمائی ہوئی رقم میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان پر جو کوئی ہنستا ہے، طعن و تشنیع کرتا ہے خدا ان پر ہنستا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے (سورہ توبہ)

منافقوں کا طریقہ واردات ہر زمانہ میں ایک جیسا رہا ہے۔ آج بھی بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ہمارے معاشرے کے بااثر مالداروں کی یہی حالت ہوتی ہے۔ ان کی کمائی ذاتی آسائشوں میں اور شیطانی مشاغل میں تو پانی کی طرح بہتی ہے۔ مگر نیکی کے امور، دینی کاموں کی سرانجام دہی میں، رفاہی اور عوامی فلاح و بہبود والے اداروں میں خرچ کرنا تو بڑی بات ہے، خرچ کرنے والوں کو طرح طرح کے نام رکھ کر حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ شادی بیاہ میں عام لوگوں تک بالخصوص اور عام حالات میں بالعموم وی سی آر کرایہ پر آتے ہیں، فلمیں دیکھی جاتی ہیں، مگر مسجد کے تعمیری اور تنظیمی معاملات میں کوئی بھی آگے نہیں آتا، جو دو چار غریب اس میں حصہ لیتے ہیں ان پر چندہ خوری کا الزام لگتا ہے، اسے صوفی، ملا، چندہ خور کے برے ناموں سے یاد کر کے کردار کشی کی جاتی ہے اور یوں اچھے

ارادوں اور اچھی نیت والوں کے حوصلے پست کئے جاتے ہیں۔

حضرت ابودرداؓ صحابہ کرام میں ممتاز عالم سمجھے جاتے تھے۔ روایت فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا' جو آدمی دوسرے کسی شخص کو ذلیل کرنے کے لئے ایسی بات مشہور کرے جو اس میں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ ایسے تہمت تراش کو قیامت کے دن ذلیل کرے۔ یہ وبا آجکل ہمارے ہاں بہت عام ہے' بالخصوص الیکشن کے دنوں میں ہمارے سیاسی رہنما خوب ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالتے ہیں' معزز قائدین بڑے بڑے صاحبان عباو قبا اس دھندے میں مصروف ہوتے ہیں۔ وہ دین جو دوسروں کے عیب ڈھانکنے کا حکم دیتا ہے اس دین کے پیروکار ناکردہ گناہ بھی اس کے سر تھوپتے ہیں۔

طعن و تشنیع اور تہمت و ملامت کے بعد جس برائی سے روکا گیا ہے وہ دوسروں کو برے ناموں سے یاد کرنا' برے نام رکھنا یعنی ایسے نام رکھنا جو اسے ناگوار ہوں اور اس کی تحقیر و تذلیل کا سبب ہوں۔ کسی کو فاسق و فاجر کہنا' کسی کو اس کے خاندانی عیب' پیشہ یا نقص سے پکارنا' کسی کو مسلمان ہونے کے بعد اس کے پرانے مذہب سے پکارنا' ہندو' سکھ' عیسائی کہنا یا ایسا نام رکھنا جس سے اس کی تذلیل ہوتی ہو۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ سفر کے دوران حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیمار ہو گیا۔ حضور ﷺ نے حضرت زینبؓ سے فرمایا کہ وہ اپنی زائد سواری جو اس کے پاس تھی' حضرت صفیہؓ کو دے دیں۔ حضرت زینبؓ نے فرمایا میں یہودن کو اونٹ دے دوں' نہیں حضور ﷺ حضرت صفیہؓ کے لئے ان کے پرانے مذہب سے پکارے جانے والے تحقیر آمیز نام سے ایسے ناراض ہوئے کہ تین مہینوں تک ان سے تعلق نہ رکھا۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کے سامنے ایک عورت کے لئے۔ دراز دامن۔ یعنی لمبی قامت والی۔ کا نام لیا' تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ تھوک دو۔ میں نے تھوکا تو گوشت کی بوٹی نکلی۔ ان ناموں یا القاب سے یا وہ نام اور لقب مستثنیٰ ہیں جو آدمی کی پہچان بن جائیں۔ اگرچہ ظاہری صورت میں بدنما ہوں مگر بذات خود برائی مقصود نہ ہو بلکہ ان ناموں کے ذریعہ اسے پہچاننا مقصود ہو۔ مثلاً" ایک ہی نام کے کئی آدمی ہوں مگر ان میں فرق کی خاطر اسے کسی

امتیازی علامت کے طور پر پکارا جائے۔ جیسے ہمارے ہاں کسی کی رنگت کی وجہ سے کالا' ڈورا' بہرہ' موٹا' پتلا اور لمبا کہا جاتا ہے' ایسے نام محض کئی شریک ناموں والے آدمیوں کے درمیان پہچان کی خاطر جائز ہیں۔

اس کے علاوہ نام بھی جائز ہیں جو بظاہر تنقیصی ہوں' مگر مقصود اظہار محبت ہو' جیسے نبی کریم ﷺ بلیوں سے لاڈ پیار کی وجہ سے اپنے انتہائی محترم صحابی کو ابو ہریرہؓ (بلیوں کا باپ) کہتے تھے اور آج تک یہ نام ان کا اصلی نام بن کر رہ گیا ہے۔ یا حضرت علی کرم اللہ وجہ کو اکثر مسجد نبویؐ کی زمین پر لیٹے رہنے کے نتیجہ میں گرد و غبار سے اٹے رہنے کے باعث ابو تراب (مٹی کا باپ) کہہ کر پکارتے اور یہ کنیت آج بھی ان کی پہچان ہے۔ اس آیت میں ایسے ناموں سے دوسروں کو پکارنا منع ہے جو دوسرے کی دل آزاری اور تحقیر کے طور پر رکھے اور پکارے جاتے ہیں جو دوسروں کی چڑ بن جائیں کسی کے جسمانی عیب کی وجہ سے اس عیب سے پکارا جائے جو اس کی ناگواری کا باعث ہو مثلاً" کسی کو بھری محفل اور بھرے بازار میں گنجا' کانا' لنگڑا یا اندھا کہہ کر پکارنا۔ ایسا وہی لوگ کرتے ہیں جن کی اخلاقی تربیت اچھی نہیں ہوتی۔ یا جنہیں اپنی ذات' اپنی امارت یا جسمانی خوبصورتی پر ناز ہوتا ہے اور دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھتے ہیں۔

دوسروں کی دل آزاری اور دل دکھاوے کا یہ انداز اختیار کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی کوئی عزت نہیں ہوتی اور اسے خاندانی اور مہذب آدمی سمجھا جاتا ہے۔ ہنسی مذاق میں سہی' مگر دوسروں کو برے ناموں سے پکار کر ان کی تحقیر و تذلیل کسی بھی سوسائٹی یا معاشرے میں نہ جائز ہے اور نہ دائرہ تہذیب میں آتی ہے۔ ایسا آدمی بے رحم' سنگدل اور بے حیائی کی حد تک شمار ہوتا ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد خداوندی ہے۔ قولوا للناس حسنا لوگوں کے ساتھ گفتگو میں نرم اور خوبصورت لہجہ اختیار کرو۔ دنیا میں ہزاروں کام زبان سے بنتے ہیں اور زبان ہی سے بگڑتے ہیں۔ زبان میٹھی ہو تو آدمی فاتح بن جاتا ہے' دلوں کو جیت لیتا ہے اور دلوں کا جیتنا حج اکبر ہوتا ہے اور کسی کو برے ناموں سے پکارنا دل آزاری ہوتی ہے دل داری نہیں ہو سکتی۔ ایسی عادت سے غیر تو غیر اپنے بھی بیگانے بن جاتے ہیں اور نفرتوں کی خلیج ایسی وسیع ہوتی ہے کہ دوبارہ پاٹی نہیں جا سکتی۔

معاشرتی استحکام، باہمی رواداری، تعلق اور برت برتاؤ کے سلسلے ٹوٹ جاتے ہیں اور انسانی تعلقات اور ضروریات جو ایک دوسرے سے وابستہ ہوتے ہیں وہ بکھر جاتے ہیں۔ قرآن کریم کا یہ ارشاد قابل غور ہے کہ بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ایمان لے آنے کے بعد کوئی آدمی اپنی بد اخلاقی، بد کرداری، بد زبانی اور برے خیالات و نظریات کی وجہ سے اتنا مشہور ہو جائے کہ وہ برائی اس کا نام بن جائے یا اس کی پہچان بن جائے تو یہ بات یا برا نام اس شخص کے لئے باعث شرم نہیں بلکہ مجموعی طور پر اسلام اور مسلمانوں کے لئے بھی بڑی برائی ہے کہ مسلمان ہو کر بھی کوئی برائی سے منسوب ہو اور برے نام سے یاد کیا جائے۔ مثلاً" فلاں منافق، فلاں جھوٹا، فلاں حرامی، فلاں چور، فلاں ڈاکو وغیرہ وغیرہ

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے برا ہونے کو یہی کافی ہے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ انہوں نے اپنے سینے کی طرف اشارہ فرما کر فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے تم کسی کو اس کے ظاہری حال سے ذلیل اور حقیر سمجھو مگر وہ اپنے دلی تقویٰ کے لحاظ سے خدا کے نزدیک محترم ہو۔ مسلمان کا جان و مال، خون اور عزت تک دوسرے مسلمان بھائیوں کے لئے قابل احترام ہے۔

حضور ﷺ ایک دفعہ منبر پر تشریف لائے تو فرمایا۔ اسلام کا دعویٰ کرنے والو، تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اترا۔ مسلمانوں کو شرم دلانے، عار دلانے اور ان کے عیب ڈھونڈنے سے باز رہو۔ جو دوسروں کو رسوا کرے گا خدا خود اس کے عیب ظاہر فرما کر اسے رسوا کرے گا۔

حضرت عروہ ؓ کی روایت ہے کہ حج کے موقعہ پر عرفات کے میدان سے واپسی کے وقت حضور ﷺ نے دیر فرما دی تاکہ حضرت اسامہ بن زید ؓ تشریف لے آئیں۔ جب وہ آ گئے تو اہل یمن نے حضرت اسامہ ؓ کے متعلق کہا۔ اس کالی رنگت والے اور چپٹی ناک والے لڑکے کی وجہ سے اتنی دیر کر دی۔ اہل یمن حضرت اسامہ ؓ کے متعلق اسی نفرت اور گستاخانہ اظہار کی وجہ سے حضرت ابو بکر ؓ کے دور خلافت میں مرتد ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم ؓ جو آنکھوں سے اندھے تھے، حضور ﷺ کے ہاں ایسے موقعہ پر تشریف لائے کہ اس وقت قریش کے سردار اور بڑے لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کی موجودگی میں حضور ﷺ حضرت عبداللہ ؓ کی طرف توجہ نہ دے سکے تو

خداوند کریم کو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم ؓ کے حق میں یہ بے توجہی گوارا نہ ہوئی اور سورت عبس وتولی ان جاءہ الاعمی الخ نازل ہوئی جس میں حضور ﷺ سے فرمایا گیا کہ آپ ؐ کو کیا علم کہ ایک اندھا اور معذور جو بظاہر لائق توجہ نہ سمجھا گیا وہی آپ ﷺ کی تعلیم سے سنور جاتا بہ نسبت قریش کے ان سرداروں کے۔

ہم جن لوگوں کو ان کی جسمانی معذوری اور نقائص کی وجہ سے نام رکھتے ہیں' نظرانداز کرتے اور حقیر سمجھتے ہیں ہماری اسلامی تعلیمات اور اسلامی معاشرہ' انکے ساتھ ہمدردی' خیرخواہی اور ان کے لئے فلاح و بہبود کا حکم دیتا ہے بلکہ انہیں وہی مقام دینا چاہتا ہے جو دوسروں کو حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے تو اس وقت مدینۃ النبی ﷺ میں جتنے بھی معذور افراد موجود تھے' انہیں ان کی معذوری کی وجہ سے اس مہم میں عدم شرکت کے باوجود جہاد کے ثواب کی خوشخبری سنائی۔

آخری قابل عمل بات

اس آیت کی روشنی میں جو اس مضمون کا عنوان ہے ہمیں ہر اس حرکت سے پرہیز لازمی ہے جو دوسرے مسلمان بھائی کی دل آزاری' دل شکنی' تحقیر و تذلیل کا موجب ہو' اس سے ہم خود اپنی سوسائٹی میں قابل نفرت شخص بن جائیں گے بلکہ ہمارے معاشرتی سکون' باہمی روابط ایک دوسرے کے ساتھ خوشگوار تعلق اور باہمی محبت کے لئے انتہائی تباہ کن ثابت ہو گی اور خدا کے ہاں بھی دردناک عذاب کا باعث ہو گا۔ وما علینا الا البلاغ

درس حدیث

(رانا محمد اعجاز)

عن صہیب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا دخل اھل الجنہ الجنہ یقول اللہ تعالی تریدون شیا اذیدکم فیقولون الم تبیض وجوھنا الم تدخلنا الجنتہ و تنجنا من النار قال فیرفع الحجاب فینظرون الی وجہ اللہ فما اعطوشیا احب الیھم من النظر الی ربھم ثم تلا للذین احسنوا الحسنی وزیادہ (مسلم)

ترجمہ! "حضرت صہیب رومیؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے ارشاد فرمائیں گے کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو ایک خاص چیز اور عطا کروں وہ بندے عرض کریں گے آپ نے ہمارے چہرے روشن کئے اور دوزخ سے بچا کر جنت میں داخل کیا (اب اس کے آگے اور کیا چیز ہو سکتی ہے جس کی ہم خواہش کریں) حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ان بندوں کے اس جواب کے بعد یکایک حجاب اٹھ جائے گا (یعنی ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھالیا جائے گا) پس وہ روئے حق اور جمال الٰہی کو بے پردہ دیکھیں گے پس ان کا حال یہ ہوگا کہ جو کچھ اب تک انہیں ملا تھا ان سب سے زیادہ محبوب اور پیاری چیز ان کے لئے یہی دیدار کی نعمت ہے"۔

حق تعالیٰ کا دیدار وہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے اہل جنت کو نوازا جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے جن کو عقل صحیح اور ذوق سلیم عطا کیا ہے وہ اگر خود اپنے وجدان پر غور کریں تو اس نعمت کی خواہش اور تمنا وہ ضرور اپنے میں پائیں گے اور کیوں نہ ہو جو بندہ اپنے خالق اور رب کی بے شمار نعمتیں اس دنیا میں پا رہا ہے اور پھر جنت میں پہنچ کر اس سے لاکھوں گنا نعمتیں پائے گا لازما" اس کے دل میں یہ تمنا اور تڑپ پیدا ہو گی کہ کسی طرح میں اپنے محسن اور کریم رب کو دیکھ پاتا جس نے مجھے وجود بخشا اور جو اس طرح مجھ پر رحمتیں انڈیل رہا ہے پس اگر اسے کبھی بھی یہ نظارہ نصیب نہ ہو تو یقیناً" اس کی لذت و مسرت اور اسکے عیش میں بڑی کمی اور تشنگی رہے گی اور اللہ تعالیٰ جس بندے سے راضی ہو کر اس کو جنت میں پہنچائیں گے اس کو ہرگز اس سے تشنہ اور محروم نہ رکھیں گے۔

اہل ایمان کے لئے قرآن مجید میں بھی اس نعمت عظمیٰ کی بشارت سنائی گئی ہے اور رسول کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے ارشادات میں صاف صاف اس کی خوشخبری دی ہے اور اہل ایمان نے بغیر کسی تردد کے اس پر یقین کیا ہے۔

لیکن بعض ایسے طبقے اور ایسے لوگ ہیں جو آخرت کی چیزوں کو اس دنیا کے انداز میں سوچتے ہیں اور یہاں کے علم اور تجربے کو آخری اور انتہائی درجہ سمجھتے ہیں۔ انہیں اس مسئلے پر شبہات پیش آتے ہیں وہ سوچتے ہیں کہ دیکھا تو اس چیز کو جا سکتا ہے جو جسم ہو جس کا کوئی رنگ ہو اور جو آنکھ کے سامنے اور اس کی سیدھ میں ہو اور اللہ تعالیٰ نہ کوئی جسم ہے نا کوئی رنگ ہے تو پھر اس کو دیکھا کیونکر جا سکتا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر مغالطہ ہے اگر اہل حق کا یہ عقیدہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار دنیا کی انہی آنکھوں سے ہو گا جو جسم کو اور کسی رنگ دار چیز کو ہی دیکھ سکتی ہے اور جن کی بینائی صرف اس چیز کا ادراک کر سکتی ہے جو اس کے سامنے ہو تو بے شک ان منکرین کا یہ سوچنا کسی درجہ صحیح ہوتا لیکن نہ قرآن و حدیث نے یہ بتلایا ہے اور نہ اہل حق کا یہ عقیدہ ہے۔

اہل حق تو اس بات کے قائل ہیں کہ جنت میں حق تعالیٰ کا دیدار ان بندوں کو نصیب ہو گا جو اس نعمت عظمیٰ کے مستحق ہوں گے اور اس کے بھی قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کو بہت سی ایسی قوتیں عطا فرمائیں گے جو اس دنیا میں کسی کو عطا نہ ہوئی اور انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایسی آنکھیں عطا ہوں گی جن کی بینائی کی قوت اتنی محدود اور کمزور نہ ہو گی جتنی کہ اس دنیا میں ہماری آنکھوں کی ہے اور ان ہی آنکھوں سے اہل جنت کو اپنے رب قدوس کا دیدار نصیب ہو گا جو نہ جسم ہے' نہ کوئی رنگ ہے اور نہ اس کے لئے کوئی جہت ہے بلکہ وہ ان سب چیزوں سے وراء الوراء ہے۔ وہ نور ہے سراسر نور ہے اور سارے انوار کا سرچشمہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں کی آنکھوں کو بینائی کی ایسی طاقت عطا فرمائے گا جس سے وہ روئے حق کا نظارہ کر سکیں گے اس سے زیادہ کی خواہش کوئی مومن اور کیا کر سکتا ہے۔

محفوظ سفر

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

ہر حکومت کی یہ بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے ملک کے باشندوں کے مال و جان کی حفاظت کے لئے مناسب انتظامات کرے۔ اگر حکومت مسلمانوں کی ہو تو کفار کو ایمان کی دعوت دینا اور اہل ایمان کے ایمان کی حفاظت کرنا بھی اس کے اہم ترین فرائض میں شامل ہوتا ہے۔ انسان اپنی ضروریات زندگی کی خاطر شروع ہی سے سفر کرتا چلا آ رہا ہے اور سفر کو وسیلہ ظفر بھی گردانا جاتا ہے۔ اسی لئے قدیم دور کے نیک دل بادشاہ مسافروں اور تجارتی قافلوں کی حفاظت اور سہولت کے لئے معروف گذر گاہوں پر کنویں اور سرائیں تعمیر کرواتے تھے اور رہزنوں کی سرکوبی کا انتظام کرتے تھے تاکہ مخلوق خدا کو راحت اور حفاظت میسر ہو اور وہ بے خوف و خطر اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائیں۔ موجودہ دور میں سفر کی سہولتوں میں حیرت انگیز ترقی ہوئی ہے۔ ہر سو خشکی کے علاوہ بحری اور ہوائی سواریوں کا دن رات تانتا لگا رہتا ہے۔ جیسے جیسے ٹریفک کا ہجوم بڑھا اور نئے نئے مسائل نے جنم لیا تو حکومتوں کو بے شمار قوانین بنانا پڑے اور ان پر عمل درآمد کے لئے کئی محکمے کھڑے کرنے پڑے۔ مسافروں کی سہولت اور ٹریفک کو رواں دواں رکھنے کے لئے سنگ میل، سائن بورڈ اور روشنی کے سگنل نصب کئے گئے۔ موٹروے، بائی پاس روڈ، انڈر وے اور فلائی اوور تعمیر کئے گئے۔ اہم جگہوں پر ٹریفک کے سپاہیوں اور خاص خاص گذر گاہوں پر گشتی پولیس کی تعیناتی کا انتظام کیا گیا۔

زمینی ٹریفک کے علاوہ بحری اور ہوائی جہازوں کی ٹریفک کو محفوظ بنانے کے لئے بین الاقوامی سطح پر قانون سازی کی گئی اور عمل درآمد کے لئے متعدد تنظیمیں وجود میں لائی گئیں۔ ان انتظامات پر حکومتیں اربوں روپے سالانہ خرچ کرتی ہیں۔ مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ حادثات سے دوچار ہوئے بغیر اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔ یہ تمام انتظامات عوام الناس کی فلاح کی خاطر کئے جاتے ہیں۔ اگر سب لوگ ان قوانین کی اہمیت کو سمجھیں اور سچے دل سے انکا احترام کریں تو ٹریفک کے حادثات نہ ہونے کے برابر رہ جائیں کیونکہ قوانین کی خلاف ورزی ہی حادثات کی سب سے بڑی وجہ ہوتی ہے۔ اگر کوئی حکومت صرف ایک دن کے لئے ٹریفک قوانین معطل کر کے یہ اعلان کر دے کہ اس دن کوئی پولیس ملازم ڈیوٹی پر نہیں ہو گا اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں سے کسی قسم کی بازپرس نہیں کی جائے گی تو ایک ہی دن میں

کثرت سے حادثات کی وجہ سے جان و مال کا جو نقصان ہو گا اس کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے۔ تمام قوانین انسانوں کی سہولت اور حفاظت کے لئے بنائے جاتے ہیں اور ان کی پابندی کرانے کے لئے ترغیب و ترہیب دونوں طریقوں سے کام لیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا حکمران ہے اور کرہ ارض پر بسنے والے تمام انسان اسی کی رعایا ہیں۔ وہ تمام انسانوں کا خالق ہے اور اپنی مخلوق سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ اس اتھاہ محبت کی وجہ ہی سے اس نے پورا اہتمام کر رکھا ہے کہ اولاد آدم حیات ارضی کا مادی سفر تمام حادثات سے محفوظ رہ کر کامیابی سے طے کر کے اپنی منزل مقصود کو پالے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی رحمت سے بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لئے تمام قوموں کی طرف اپنے برگزیدہ بندوں یعنی رسولوں کو بھیجا۔ جنھوں نے نہ صرف انسانوں کو یہ حقیقت بتائی کہ تمہارا مقصود حیات اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا کا حصول ہے بلکہ انہیں منزل تک پہنچنے کے لئے اللہ کی بتائی ہوئی صراط مستقیم بھی بتائی اور ان کی سہولت کی خاطر اس تعلیم پر عمل کر کے اسوہ حسنہ قائم فرما دیا۔ انہوں نے انسانوں کو ان تمام ممکنہ کوتاہیوں‘ لغزشوں اور خطاؤں کی تفصیل بھی بتا دی جن کی وجہ سے طالبان حق سست رفتار یا بالکل ہی بیکار ہو کر رہ جاتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی محبت سے ہٹانے اور گمراہ کرنے والے شیطان اور اس کے کارندوں کی فریب کاریوں سے بچتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے قدم بقدم صراط مستقیم پر آگے بڑھتے چلے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر کے اس کی جنت میں داخل ہو جائیں اور یہی حقیقی اور عظیم کامیابی ہے۔ یہ سارا انتظام اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہماری عبادت اور بغاوت ہر دو سے بے نیاز ہے۔ اگر ساری دنیا مومن بن جائے یا کافر ہو جائے اسے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم جو کچھ بھی کریں گے اس کا فائدہ یا نقصان اور آخرت میں اس کی جزا یا سزا اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق ہمیں ہی ملے گی۔ شریعت الہیہ میں کچھ کام کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ اوامر کہلاتے ہیں ان کی پابندی سے دلوں کو نور عطا ہوتا‘ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اضافہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی منزل کی طرف سالک کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ ان کے برخلاف جن کاموں سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے وہ نواہی کہلاتے ہیں ان سے انسان کا دل سیاہ اور سینہ بے نور ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے چراغ کی روشنی کم تر ہوتی چلی جاتی ہے اور آخر کار شیطان اسے دنیا کی محبت اور نفسانی خواہشات کے جال میں پوری طرح جکڑ کر اندھیروں میں گمراہ کر دیتا ہے اور وہ اپنی منزل کھو دیتا ہے۔ جس طرح ٹریفک کے قوانین کی پابندی نہ صرف ہمارے اپنے لئے منزل پر جلد اور بحفاظت پہنچنے کی ضمانت ہوتی ہے بلکہ دوسرے مسافروں کے لئے بھی سکون اور سہولت کا ذریعہ بنتی ہے۔

اسی طرح جو انسان اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے اور اللہ کے دین کے مطابق اپنی زندگی گذارتے ہیں وہ نہ صرف خود پر وقار، پر مسرت اور پر اطمینان زندگی گذارتے اور دونوں جہانوں میں سرخرو ہوتے ہیں بلکہ وہ اپنے آس پاس اور اردگرد بسنے والے انسانوں کے لئے محبت و مروت اور رحمت و رافت کے علمبردار بنکر ان کی اصلاح و خدمت کے کاموں میں لگے رہتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ عالمگیر محبت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت ہی سے اللہ تعالیٰ کی محبت کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

اس کے برعکس جس طرح کوئی شراب کے نشے میں مخمور یا لاپرواڈرائیور ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی کر کے نہ صرف اپنی جان کو خطرات سے دو چار کرتا ہے بلکہ دوسروں کے مال و جان کے نقصان کا باعث بنتا ہے اور ٹریفک کے نظام کو درہم برہم کرنے کا مجرم قرار پاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے شرعی قوانین کی خلاف ورزی کرنے والا انسان شیطانی توہمات اور نفسانی خواہشات کی دلدل میں پھنس کر خوف و حزن سے معمور زندگی گذارتا اور آخرت میں اس ناکامی کی سزا بھگتتا ہے۔

شریعت الہیہ کے خلاف انسان کا انداز فکر اور طرز عمل معاشی اور معاشرتی خرابیوں اور جرائم کو جنم دیتا ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی زمین پر فساد پھیلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صاحب ارادہ اور صاحب اختیار پیدا فرما کر اپنے انبیاء علیھم السلام کے توسط سے اسے سراپا رحمت اور فلاح دارین کا ضامن مکمل نظام حیات عطا فرما دیا ہے۔ اب ہماری دنیا و آخرت میں کامیابی یا ناکامی کا انحصار اس امر پر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی بندگی والی راہ کا انتخاب کرتے ہیں یا من مرضی والی یعنی کفر کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی سورت الدھر کی آیت 29 اور سورت المزمل کی آیت 19 میں فرمادیا ہے۔

ان هذه تذكرة فمن شاء اتخذ الى ربه سبيلا ۝

یعنی "یہ قرآن تو نصیحت اور یاد دہانی ہے سو جو چاہے وہ اپنے رب کی طرف پہنچنے کا راستہ اختیار کر لے"

اگرچہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے پھر بھی وہ اپنی بے پایاں رحمت کے غلبہ کے سبب ہمارے لئے کفر کی بجائے ایمان ہی کو پسند فرماتا ہے۔ چنانچہ سورت الزمر آیت 7 میں ارشاد فرمایا۔

"اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم سے بے پرواہ ہے پھر بھی وہ اپنے بندوں کے لئے کفر پسند نہیں کرتا اور اگر شکر و ایمان کی راہ اپناؤ گے تو اس کو تمہارے لئے پسند کرتا ہے"

خواجہؒ کے خطوط

(ترتیب و تدوین۔ خالد مسعود توحیدی)

1۔ رسومات معاشرہ

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 30/9/1962)

"ہمارے معاشرے کا یہی حال ہے۔ ذلت پذیر قوموں کا کردار یہی ہوتا ہے۔ دراصل ہم لوگ اپنے بچوں کی پرورش اللہ کی مخلوق اور اپنا فرض جان کر نہیں کرتے بلکہ انکو ایک قسم کا کاروبار سمجھتے ہیں اور اس خیال سے پالتے ہیں کہ بڑا ہو کر کمائے گا۔ آپ کھائے گا ہمیں کھلائے گا وغیرہ وغیرہ۔ اس وجہ سے جب لڑکوں کی شادی ہو جاتی ہے تو ماں باپ کو یہ فکر ہو جاتا ہے کہ کہیں یہ ہم کو خرچ دینا نہ چھوڑ دے۔ اس خیال سے وہ اس کی بیوی کے خلاف رہتے ہیں اور اس کی جابجا شکایتیں کرتے رہتے ہیں۔ اب اس کو کیا کہا جائے۔ اس کا علاج صرف تعلیم ہے اور وہ ہے نہیں۔ معاشرے میں برائیوں اور بری رسموں کو دور کرنا بہت ہی مشکل ہے۔ پیغمبر اسی لئے آتے ہیں مگر ان کو اصلاح کرنے میں کس قدر مصیبتیں پیش آتی ہیں۔ بہرحال ان کا مقابلہ کرنا چاہئے اور رفتہ رفتہ بری رسموں کو مٹانا چاہیے۔ خواہ کتنی ہی مخالفت ہو ہمت نہیں ہارنی چاہئے"

2۔ امداد مساکین

(بنام مخدوم ریاض حسین صاحب 26/1/1962)

"میں سب اہل حلقہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنے ایک بھائی کی اس طرح مدد کی۔ اس کو کس قدر راحت ملی ہو گی اور آپ لوگوں کو کس قدر ثواب ملا ہو گا اس کا اندازہ مشکل ہے۔ بہرحال اچھے مسلمانوں میں اس سپرٹ کا ہونا ضروری ہے"

3۔ "ملک صاحب نے بے انتہا روپیہ حلقہ والوں سے محض اس امید پر قرض لیا ہوا ہے کہ زمین فروخت ہو جائے گی تو دے دیں گے۔ سنا ہے زمین تو ل گئی ہے مگر اب جنگ کی وجہ سے کوئی خریدار نہیں ہے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔ آپ نے اچھا کیا ان کی مدد کر دی۔ جس بھائی کی بیوی کو سلائی مشین خرید کر دی ہے یہ اور بھی زیادہ نیکی کا کام ہے۔ یہ خیر جاریہ ہیں۔ اللہ آپ کو سب کا صلہ عظیم عطا فرمائے۔ آمین

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 11/12/1965)

4۔ "اکبر صاحب کی بابت سوائے دعا کے اور کیا کر سکتا ہوں۔ آپ مناسب سمجھیں تو ان کو پچاس

روپے فی سبیل اللہ بطور امداد دے دیں۔ اور مجھے لکھ دیں میں یہاں سے بھیج دونگا۔ باقی حلقہ میں ان کے لئے دعا کریں"

(بنام محمد صدیق ڈار 20/7/1962)

5۔ "لطیف کمانڈو مرحوم کی جواں سال بہن کی شادی ہے۔ پیچھے کوئی اندوختہ یا زمین وغیرہ بھی نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں حلقہ والے ضرور اس کار خیر میں حسب توفیق حصہ لیں' یہ بڑے ثواب کا کام ہے۔ جو کچھ آپ لوگوں سے ہو سکے نومبر کی پہلی کو جو تنخواہ ملے جمع کر کے منی آرڈر کر دیں۔ یہ رقم لطیف اعانت فنڈ ہے۔ جزاک اللہ فی الدارین خیرا۔ یہ کرنے کا کام ہے"

I want your hearty response to my appeal

(بنام محمد صدیق ڈار 28/2/1966)

6۔ "آپ نے لکھا ہے کہ جنوری میں کل 26 روپے فنڈ کے اکٹھے ہوئے اس میں سے 25 روپے ایک غریب سفید پوش کو دے دئے گئے۔ میں اس سے بہت ہی خوش ہوا کہ یہ روپیہ ایک شریف آدمی کو دیا گیا۔ افسوس کہ رقم بہت قلیل ہے اور زیادہ ہوتی تو اچھا تھا۔ ہمارا اصل مقصد تو اسی طرح مدد کرنا ہے"

(بنام محمد قاسم صاحب 10/2/1964)

7۔ غیور صاحب نے کسی غریب بھائی کے مکان کے لئے چندہ کی اپیل کی تھی۔ بنوں والوں نے آپ کو 25 روپے بھیجے ہیں۔ اسی طرح پشاور' پنڈی اور دیگر حلقہ والے بھی کچھ بھیجیں گے۔ وہ روپیہ انکو پہنچا دیں اور مجھ کو اطلاع دیں کہ کتنی رقم ہوئی تاکہ کچھ کمی ہو تو پورا کرنے کی کوشش کی جائے"

(بنام محمد قاسم صاحب 10/10/1965)

8۔ "خوشی ہوئی کہ آپ نے ایک غریب بھائی کی مدد کر دی۔ اللہ اجر دے گا۔ دراصل بات یہ ہے کہ اس قسم کی مدد پیر بھائیوں کو کسی بھی سلسلہ تصوف میں نہیں دی جاتی۔ میں نے غریبوں کی مدد کے خیال سے یہ طریقہ جاری کیا تھا لیکن تجربہ بہت تلخ ہوا۔ لوگ محض یہ سن کر مرید ہونے لگے کہ یہاں روپیہ کی مدد بھی ملتی ہے۔ اس طرح قرض میں بہت روپیہ مارا گیا۔ عطیات بھی فضول ہی گئے۔ لوگوں نے دھوکے دے کر روپیہ لیا۔ ایسے لوگوں میں اللہ اللہ کسی نے بھی نہیں کی۔ صرف دکھاوا ہی دکھاوا تھا۔ وہ تو مرید صرف دنیا کے لئے ہوئے تھے۔ لہٰذا مجبوراً" وہ طریقہ بند کر دیا گیا۔

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 8/9/1967)

جنگ ستمبر اور صدر ایوب خاں کی تقریر

(آفتاب احمد خاںؒ)

ستمبر 1965ء کی جنگ کے بھی عجیب و غریب واقعات ہیں۔ ان دنوں ہر شخص کی زبان پر یہ کلمات تھے کہ پاک فوج بھارت کی عسکری قوت کو ہر محاذ پر پامال کر رہی ہے۔ بین الاقوامی ذرائع ابلاغ پاک فوج کی جرات اور بہادری کے کارنامے یورپ کے اخبارات میں شائع کروا رہے تھے۔ خاص طور پر کشمیر میں توی دریا کو عبور کر کے بھارت کے مضبوط ترین مورچوں کو تباہ کرنا اور پھر جموں شہر کے بلند پہاڑی علاقے میں دشمن پر کاری ضرب لگانا۔ اور یوں پاکستانی فوج کی دھاک سارے بھارت پر بیٹھ گئی۔ ادھر پاک فضائیہ کے شاہین پلٹ پلٹ کر حملہ آور ہو رہے تھے اور بھارتی فضائیہ کو گھٹنوں بٹھا رہے تھے۔ پسرور کے ہوائی اڈہ پر بھارت کا ایک تیز رفتار لڑاکا طیارہ نیٹ (GNAT) اتار لیا گیا تھا۔ میں ان دنوں شادی کی ایک تقریب پر وہاں گیا ہوا تھا۔ اردگرد کے علاقے کے لوگ جوق در جوق بھارتی طیارے کو دیکھنے کے لئے پسرور کے ہوائی اڈے پر جا رہے تھے۔ میں نے اس جہاز کا دور سے نظارہ کیا۔ یہ خبر بھی تھی کہ جب یہ طیارہ اتارا گیا اور پائلٹ کو گرفتار کیا گیا تو اس نے کہا کہ اس طیارہ کو بھارتی فضائیہ حملہ کر کے اسی جگہ تباہ کر دی گی کیونکہ اسے یہاں سے کسی محفوظ ہوائی اڈے پر اڑا کر لے جانا پاکستانی پائلٹوں کے بس کی بات نہیں کیونکہ اسے اڑانے کی مہارت صرف بھارت کے پاس ہے۔

شام کا وقت ہونے کو تھا اور ہم اپنے دیگر ساتھیوں کے ہمراہ پسرور شہر کی طرف واپس آ رہے تھے تو ہم نے دیکھا کہ وہی طیارہ پسرور سے اڑ کر فضا میں بلند ہو گیا ہے۔ دوسرے دن کے اخبارات سے پتہ چلا کہ ایک پاکستانی شاہین نے وہ طیارہ اڑایا اور بحفاظت سرگودھا ائربیس پر اتار لیا۔ میں اگلی صبح لاہور واپس آ گیا اور راستے ہی میں پتہ چلا کہ ہندوستان نے واہگہ پر حملہ کر دیا ہے۔ لاہور کی فضاء اللہ اکبر کے نعروں سے گونج رہی تھی اور لاہوری سڑکوں پر گروہ در

گروہ جمع تھے اور ہر فرد بھارت کی مرمت اور ٹھکائی کرنے کے لئے مستعد تھا۔ میں جلدی جلدی گھر پر بچوں کو اتار کر قبلہ حضرت انصاری صاحب کے ہاں گلبرگ چلا گیا۔ وہاں کافی پیر بھائی جمع تھے اور قبلہ حضرتؒ درمیان میں بیٹھے مسکراتے ہوئے محو گفتگو تھے۔ میں جب حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا "تمہارے پاس بہت ہی خوش کن خبریں ہیں" اس پر میں نے پسرور کی ساری باتیں بیان کیں۔ قبلہ حضرتؒ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ معرکہ تو اب شروع ہوا ہے اور لاہور میں پاک فوج کی جرات اور بہادری تاریخ کا حصہ بنے گی۔ تمام اسلامی دنیا کی نظریں اب لاہور کے محاذ پر لگی ہوئی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ فتح پاکستان کی ہوگی اور بھارتی فوج بہت جلد پیچھے دھکیل دی جائے گی اور اپنے زخم جالندھر میں جا کر چاٹے گی۔ اسی دن عین گیارہ بجے ریڈیو پر صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خاں صاحب کی تقریر تھی اور لوگ بڑی بیتابی سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ جونہی گیارہ بجے اور ریڈیو پر اعلان ہوا کہ اب صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خاں قوم سے خطاب فرمائیں گے تو فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔ اور اس وقت تو لوگوں کی عجیب حالت تھی جب صدر پاکستان نے اپنی گرجدار آواز میں کہا کہ دشمن نے رات کے اندھیرے میں مکاری سے بغیر اعلان جنگ کئے ہماری سرحدوں پر حملہ کیا ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ اس نے کس قوم کو للکارا ہے۔ عین اس وقت قبلہ حضرتؒ نے عجیب آواز اور قوت کے ساتھ لا الہ الا اللہ کا نعرہ لگایا۔ اور عجیب اتفاق تھا کہ اس کے فوراً بعد صدر پاکستان نے بھی یہی کلمہ دہراتے ہوئے کہا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد کرتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑو اور یوں کلمہ توحید تمام پاکستانیوں کے دلوں کی دھڑکن بن گیا۔

معرکہ لاہور اور 1965ء کی جنگ کی عجیب بات یہ تھی کہ لا الہ الا اللہ کا ذکر ہر شخص کی زبان پر جاری ہو گیا اور ہمارا حلقہ ذکر ایک مستانے مجاہد کی وجہ سے کیف و مستی میں ڈوب گیا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تے کہ مجاہد کی ایک ساعت ہزار ولیوں کی عبادت اور ذکر پر حاوی ہوتی

ہے شاید یہی وجہ تھی کہ ہفتہ وار محفل ذکر میں ہمارا کوئی نہ کوئی فوجی مجاہد بھائی وقت نکال کر شامل ہو جاتا تو محفل کا رنگ ہی بدل جاتا۔ قبلہ حضرتؒ کی کیفیت کچھ عجیب ہی ہوتی تھی۔ کبھی تو خوشی سے چہرہ دمک جاتا اور کبھی آنکھوں سے ندیاں بہہ نکلتیں۔ قبلہ حضرتؒ نے اس جنگ کے تمام ایام اپنی گلبرگ والی رہائش گاہ گنبد والی کوٹھی کے لان میں اگے ہوئے سکھ چین کے درخت کے نیچے ہی گذار دیئے۔ ریڈیو آپ کے پاس ہوتا تھا اور آپ اہم اعلانات اور خبریں خوب غور سے سنتے اور دائیں ہاتھ کی شہادت والی انگلی کی حرکت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اشاروں سے کچھ احکامات دے رہے ہیں۔ ایک صبح میں حاضر خدمت ہوا تو وہاں چند دوسرے پیر بھائی بھی تشریف رکھتے تھے اور بات چیت قلب کے جاری ہونے کے بارے میں چل رہی تھی۔ قبلہ حضرتؒ فرما رہے تھے کہ بڑی ہی ریاضت سے اور کسی اہل دل ولی کی خاص توجہ سے قلب جاری ہوتا ہے۔ یوں کہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے یہ کام ہوتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم سے نوازتا ہے تو صدر ایوب جیسے انسان کے منہ سے کلمہ توحید نکالتا ہے تو بارہ کروڑ پاکستانیوں کے قلب جاری و ساری کر دیتا ہے۔ کہاں گئی وہ ریاضت اور ولی کامل کی توجہ؟ یہ معاملہ حساب و کتاب سے ماوراء ہے۔ میں نے اس وقت نظر اٹھا کر دیکھا تو قبلہ حضرت کی آنکھوں سے دو موتی ڈھلک پڑے۔ عین اس وقت پھر فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے اس معرکہ حق و باطل کی وجہ سے اس دور میں حقیقت جہاد سے آشنائی ہوئی۔ ہم پاکستانی اس سلسلہ میں بہت خوش قسمت ہیں۔

میری زندگی اور سلوک و تصوف

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

یہ میری زندگی اور سلوک و تصوف میں اپنے ذاتی تجربوں کا کچھ بیان ہے اور میں اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ آپ کو میرے تجروں سے فائدہ ہو اور آپ یہ سمجھ سکیں کہ غلط قسم کا تصوف کونسا اور صحیح قسم کا تصوف کونسا ہے۔

مجھے مطلق یاد نہیں کہ مجھے تصوف اور فقیری کا ذوق کب سے پیدا ہوا۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ جب سے آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالا اپنے آپ کو فقر و تصوف کے جال میں پھنسا ہوا پایا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ میرے دادا حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ نہ صرف اپنے وقت کے ایک جید عالم بلکہ ایک بہت بلند پایہ ولی اللہ بھی تھے۔ میں نے انہی کی آغوش محبت میں آنکھ کھولی اور دس برس کی عمر تک انہی کے سایہ شفقت میں پروان چڑھا۔ دادا صاحب کے پاس ہر قسم کے بزرگ آتے تھے اور صوفی بھی اول درجے کے متشرع بزرگوں سے لے کر رسول شاہیوں' قلندروں بلکہ ملنگوں تک ہر قسم کے لوگوں کو میں نے دیکھا اور ان سے نادانستہ طور پر طرح طرح کا تاثر حاصل کیا۔ میں دس برس کا تھا کہ دادا صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت سے بیس برس کی عمر تک برابر اس کوشش میں رہا کہ کسی بزرگ سے بیعت ہو کر باقاعدہ سلوک طے کروں اور اس غرض سے سینکڑوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جہاں اچھے بزرگ کی خبر سنی وہیں پہنچا لیکن کہیں بھی طبیعت نہ جمی۔

دادا صاحب کے فیض تربیت اور تعلیم سے طبیعت میں توحید کا رنگ بہت گہرا ہو گیا تھا اور ایک ایسے بزرگ کی جستجو تھی جو شریعت کا پابند ہونے کے ساتھ ساتھ روشن خیال بھی ہو۔ تنگ خیالی سے مجھے بچپن ہی سے کوفت ہوتی تھی۔ میں صرف کشف و کرامات کو بزرگی کا ثبوت نہ جانتا تھا۔ مجھے تو ایسے بزرگ کی تلاش تھی جو صاحب علم' صاحب عرفان اور صاحب تحقیق ہو۔ کشف و کرامات دکھانے والے تو بہت مل جاتے ہیں لیکن عارف اور محقق کہاں نظر آتے ہیں۔ چنانچہ دس سال اسی بے چینی اور تگ و دو میں گزر گئے۔

ان دس سالوں میں سینکڑوں فقیروں سے ملنا ہوا۔ عجب عجب رنگ کے لوگ دیکھے۔ زیادہ تر تو ایسے لوگ ملے جو بالکل جھوٹے اور جعلساز تھے۔ فقیری کی الف بے تے بھی ان کو نہ آتی تھی۔

صرف لباس فقیرانہ تھا اور کچھ شعبدے اور چٹکلے جانتے تھے۔ کوئی روپیہ کو مٹھی میں بھینچ کر دودھ نکال دیتا تھا۔ کوئی پانی دم کر کے اس کو میٹھا کر دیتا تھا۔ کوئی سونا اور چاندی بنا کر دکھا دیتا تھا۔ کوئی زیور اور نوٹ دگنے کر دیتا تھا۔ دنیا تھی کہ ان کے شعبدوں کو کرامات سمجھ کر اس طرح ٹوٹی پڑتی تھی جیسے شہد پر مکھیاں۔ لیکن میں نے جب ان کو قریب سے دیکھا اور رازہائے اندرون پردہ معلوم کیے تو یہ ظاہر ہوا کہ وہ سب جھوٹے، دغاباز انتہائی گندے اور بے ایمان بلکہ بدمعاش تھے۔ ان کے علاوہ ایک اور گروہ سے سابقہ پڑا یہ لوگ عملیات اور تعویذ گنڈوں کے بل بوتے پر فقیری کرتے تھے۔ ان میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کے تابع کوئی موکل یا ہمزاد تھا۔ ان کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ لوگوں کو کہیں سے کوئی چیز منگا دیتے تھے یا ان کے گھر کی کوئی بات بتا دیتے تھے۔ ان میں ایسے بدمعاش بھی تھے جو اپنے موکل یا جن کو حکم دیتے کہ فلاں عورت کے سر پر سوار ہو جاؤ۔ پھر خود عامل بن کر وہاں پہنچتے اور اس خبیث کو اتار کو خوب روپیہ بٹورتے۔ ان میں کوئی ایسا بھی تھا جو اپنے موکل کے ذریعے بیماروں کا مرض معلوم کر کے بیان کر دیتا اور پھر گنڈے تعویذ سے اس مرض کا علاج کرتا اور سینکڑوں روپے فیس لیتا۔ دہلی میں ایک ایسے ہی عامل کو میں نے دیکھا جس نے اس کام سے لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کمایا اور سینکڑوں ایکڑ زمین خریدی۔ تعویذ گنڈے کرنے والوں میں خال خال ایسے لوگ بھی دیکھے جو نہایت نیک اور عبادت گزار تھے اور ان کے عملیات سے خلق خدا بہت فائدہ اٹھاتی تھی۔ لیکن تصوف اور سلوک سے یہ لوگ بھی بالکل نابلد اور محض ناآشنا تھے۔ مگر لوگ ان کو ولی اللہ سمجھ کر ان سے مرید ہوتے اور خوب نذرانے دیتے تھے۔

ایک اور گروہ دیکھا یہ لوگ آبادی سے باہر تکیوں اور خانقاہوں میں رہتے تھے۔ شرع سے بالکل بے نیاز اور شرعی عبادات سے بالکل ناآشنا۔ دن رات چرس کے دم لگاتے، بھنگ کے پیالے چڑھاتے اور ہر وقت ہو حق مچاتے تھے۔

یہ لوگ بدن پر بھبوت ملتے، ہاتھوں میں لمبے لمبے چمٹے اور سر پر بڑے بڑے بال رکھتے تھے اور اپنے آپ کو ملنگ اور قلندر کہتے تھے۔ میں نے ان لوگوں میں بھنگ اور چرس کے سوائے اور کوئی بد چلنی یا بدکاری نہیں دیکھی اور اگر ہو تو خدا ہی جانتا ہے۔ تعجب تو یہ ہے کہ ان میں سے بعض بعض میں بے پناہ روحانی قوت تھی ایک ہی نظر میں انسان کا قلب جاری کر دیتے تھے۔ یہ بیماروں کا علاج بھی کرتے اور ایک چٹکی راکھ یا ایک گھونٹ پانی سے بڑی بڑی پرانی بیماریاں منٹوں، سیکنڈوں میں دور ہو جاتی تھیں۔ ان میں کشف بھی اعلیٰ درجہ کا تھا۔ ماضی کا حال ایسے بیان کرتے جیسے آنکھوں سے

دیکھ رہے ہوں۔ مستقبل کی بابت پیشین گوئیاں بھی کرتے جو اکثر ٹھیک ہوتی تھیں۔ ان کی طرف میرے دل نے بہت رجوع کیا لیکن دادا صاحب کی دی ہوئی تعلیم آڑے آئی اور میں نے باوجود ان کرامات کے ان سے بھی کنارہ کشی اختیار کرلی۔

ایسے لوگ بھی دیکھے جو بڑے پاک باز عابد و زاہد اور مرتاض تھے۔ یہ دنیا سے الگ پہاڑوں اور جنگلوں میں رہتے اور دن رات اللہ اللہ کرتے تھے۔ یہ واقعی بزرگ تھے۔ کشف و کرامات ان کے لئے بہت معمولی بات تھی۔ میرے دل میں اب بھی ان کی عزت و محبت اور بڑی قدر و منزلت ہے لیکن ان میں بھی ایک نقص تھا۔ یعنی ان کی زندگی رہبانیت کی زندگی تھی اور رہبانیت خلاف اسلام ہے۔ اس لئے میں نے ان سے ملنا اور ان کے پاس جانا بھی چھوڑ دیا۔

ان کے علاوہ ایک اور جماعت سے شرف نیاز مندی حاصل ہوا۔ یہ علمائے دین کی جماعت تھی۔ یہ بھی صوفیوں کی طرح عوام کو بیعت کرتے اور ہزارہا مریدوں کو ہدایت فرماتے تھے۔ لیکن ان میں سے خال خال ہی ایسے تھے جو تصوف والی روحانیت کے حامل ہوں زیادہ تعداد ایسے بزرگوں کی تھی جو صرف تقویٰ و عبادت کے لئے بیعت کرتے تھے یعنی صرف صاحب قال تھے صاحب حال نہ تھے۔ بہرحال اس جماعت کے پاس بھی میرے درد دل کا مداوا نہ تھا۔ تاہم میں ان کے کام کو عوام کے لئے مذہبی نقطہ نظر سے بہت اہم اور لازمی سمجھتا ہوں۔

ایک ایسی جماعت بھی دیکھی جو سرتاپا تصوف کے رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی اور اس کے افراد ہر لحاظ سے صوفی اور بزرگ نظر آتے تھے۔ میرا اشارہ ان پیروں اور بزرگوں کی طرف ہے جو بڑی بڑی درگاہوں اور آستانوں کے سجادہ نشین تھے۔ ان میں کثیر تعداد ایسے پیروں کی تھی جو صرف ظاہری رکھ رکھاؤ اور آستانوں شان و شوکت کی وجہ سے مرجع خلائق تھے۔ ورنہ حقیقتاً" روحانی طاقت اور معرفت و حقیقت کے لحاظ سے صفر ہی تھے۔ ہاں جہاں تک کتابی مسائل تصوف کا تعلق ہے خاصہ اچھا علم رکھتے تھے۔ پھر بھی اس جماعت میں کئی بزرگ ایسے ملے جو تصوف کے ظاہری علم کے ساتھ ساتھ باطنی دولت سے بھی مالا مال تھے اور انہی میں سے بعض بعض کو علم معرفت بھی خوب حاصل تھا۔ ان بزرگوں میں سے کسی نہ کسی سے میں ضرور بیعت ہو جاتا۔ لیکن ایک بات مانع ہوئی اور وہ تھی ان کی دربار داری' دنیوی شان و شوکت اور کروفر' فقیرانہ سادگی ایک جگہ بھی نظر نہ آئی۔ ہر ایک آستانہ کے ساتھ صاحب آستانہ کے آباؤ اجداد کی ایک دو قبریں ضرور تھیں جن کا احترام اس قدر کیا جاتا تھا جو کعبہ کے احترام سے بھی بڑھ جاتا تھا اور پوجا کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔ بہت

سے آستانوں کے صاحبان سجادہ ان قبروں سے بھی زیادہ پوجے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کو باقاعدہ سجدے کئے جاتے تھے اور یہ سب باتیں اس تعلیم کے خلاف تھیں جو مجھے ملی تھی۔

مختصر یہ کہ دس برس اسی تلاش و طلب میں گزر گئے۔ لیکن اس زمانہ میں جو علم اور تجربہ فقیری کی بابت ہوا وہ بہت ہی بیش قیمت تھا۔ بزرگوں اور فقیروں کی ملاقات کے علاوہ اسی زمانہ میں تصوف کی بہت سی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا۔

دادا صاحب مرحوم ایک بہت بڑا کتب خانہ بھی چھوڑ گئے تھے جس میں کم و بیش دو ہزار کتابیں سیر و سلوک اور تصوف پر تھیں۔ ان میں سے کئی سو کتابیں پڑھ ڈالیں۔ اگرچہ بہت سی کتابیں مطلق سمجھ میں نہ آئیں تاہم کچھ نہ کچھ حاصل ہو ہی گیا۔ آخر کار اس تلاش و طلب کا نتیجہ نکلا اور بہت اچھا نکلا۔ سچ ہے دیر آید درست آید۔

مطلب یہ کہ اچانک اور اتفاقاً" حضرت مولانا کریم الدین احمد رحمت اللہ علیہ سے ملاقات ہو گئی۔

پہلے ہی دن میں حضرت مولاناؒ کی خدمت میں چھ گھنٹے حاضر رہا اور بیعت ہو کر ہی اٹھا۔ حضرت صاحب نے فرمایا بھی کہ دو چار ماہ ہماری صحبت میں رہو اور ٹھوک بجا کر پرکھ لو۔ پھر بیعت ہونا۔ مگر میں نے عرض کیا خدا جانے پھر وقت اور موقعہ ملے نہ ملے۔ جو کچھ مجھے دیکھنا تھا دیکھ لیا۔ مہربانی فرمائیں اور مجھے بیعت کر لیں۔

مولانا نے دریافت فرمایا۔

"کس غرض سے بیعت ہونا چاہتے ہو؟"

میں نے عرض کیا۔

تین مقاصد ہیں۔ اول روحانی طاقت' دوسرے تزکیہ اخلاق' تیسرے دیدار باری تعالیٰ

مولانا نے فرمایا۔

" پہلی دو چیزیں تو تم کو میرے ذریعہ سے مل جائیں گے لیکن تیسری چیز یعنی دیدار باری تعالیٰ میرے بس کی بات نہیں۔ اس کے بدلے میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ معرفت باری تعالیٰ کسی نہ کسی قدر حاصل ہو جائے گی"

میں نے عرض کی کہ "دیدار خدا ممکن بھی ہے" مولانا نے فرمایا ممکن کیوں نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہوا۔ حضور ﷺ کے صحابہ کبار کو میسر آیا۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ "میں دل

کی آنکھ سے اللہ کو دیکھتا ہوں" پھر حضور ﷺ کی امت اس سے کس طرح محروم رہ سکتی ہے۔ اکابر اولیاء جتنے بھی گزرے ہیں سبھی جیتے جی اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ لیکن اللہ کا دیدار ان ظاہری آنکھوں سے نہیں ہوتا بلکہ ایک باطنی آنکھ پیدا ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنی طاقت کے مطابق یقیناً" دیکھتی ہے اور اسی کے بعد ہی ایمان کا وہ درجہ نصیب ہوتا ہے جس میں کبھی کمی اور شک پیدا نہیں ہو سکتا"

اس پر میں نے پوچھا کہ آپ اتنا بتا دیں کہ "یہ دولت میری قسمت میں ہے بھی یا نہیں" مولانا نے تھوڑی دیر سکوت فرمانے کے بعد کہا

"ہاں تمہارے دل میں اللہ تبارک تعالیٰ نے ایک ایسی چیز پیدا کی ہے کہ جب تک تم زندگی میں خدا کو نہ دیکھ لو گے مرو گے نہیں"

میں نے عرض کی "اتنا اور بتا دیں کہ کس عمر میں یہ دولت حاصل ہو گی" مولانا نے فرمایا "ساٹھویں سال میں" میں نے پوچھا "آپ اس وقت حیات ہوں گے" جواب دیا۔ "واہ میری تو قبر کا نشان بھی اس وقت نہ ہو گا" میں نے کہا "پھر یہ چیز کس کے توسل سے ملے گی" جواب دیا کہ "میاں صاحبزادے ایک گندم کا دانہ یا ایک قطرہ پانی جو تمہارے حلق سے نیچے اترتا ہے اس پر تمہارا نام لکھا ہوتا ہے اور اللہ کے حکم اور قضا و قدر کے انتظام سے تم تک پہنچایا جاتا ہے۔ تو کیا یہ روحانی دولت اس قدر سستی اور بے حیثیت چیز ہے کہ یونہی بغیر اللہ کی مرضی کے جس کا دل چاہے وہ حاصل کر لے۔

یہ بھی اللہ کے حکم اور فضل ہی سے ملتی ہے اور جس کو وہ نوازنا چاہے اس کے لئے ہزار وسیلے بھی پیدا کر دیتا ہے۔ تم کو بھی کوئی ایسا بزرگ مل جائے گا جس کی تعلیم اور صحبت سے تمہارے اندر وہ صلاحیتیں پیدا ہو جائیں گی جو جیتے جی اللہ کا دیدار حاصل کرنے کے لئے لازمی ہوتی ہیں" اس پر میں نے بڑی بے صبری اور عاجزی سے دریافت کیا کہ "وہ باتیں کون کون سی ہیں جن سے یہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ کچھ بیان فرما دیں تاکہ میں ابھی سے وہ خوبیاں پیدا کرنے کی کوشش کروں"

مولانا! صرف دو باتیں پہلی بات تو تزکیہ اخلاق ہے دوسری بات یہ ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر اللہ کے ہو جاؤ۔ جیسا کہ سورہ مزمل میں خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وتبتل الیہ تبتیلا

میں! قبلہ اس سے تو میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ ذرا تفصیل سے ارشاد فرمائیں تزکیہ

اخلاق سے کیا مراد ہے؟

مولانا! مفصل تو بہت وقت طلب ہے مختصریوں سمجھئے کہ دنیا میں دو چیزیں ہیں۔ خیرو شر، نیکی بدی، برائی بھلائی یا گناہ و ثواب ان میں سے آپ جہاں تک ہو سکے برائی کو کم کریں اور بھلائی یا نیکی پر عمل زیادہ کرتے جائیں۔ جیسے جیسے برائی کم اور نیکی زیادہ ہوتی جائے گی آپ کا ذہن اور آپ کی روح لطیف اور پاکیزہ ہوتی جائے گی۔ یہاں تک کہ جب کبیرہ گناہوں سے آپ بالکل محفوظ ہو جائیں گے تو آپ کے قلب میں پہلا درجہ اس صلاحیت کا پیدا ہو گا جو اللہ کی صفاتی تجلیات کے مشاہدہ کے لئے ضروری ہے اور جب آپ یہاں تک صفائی قلب کر لیں گے کہ برائی کا خیال بھی ذہن میں نہ آئے تو آپ کے قلب میں یہ صلاحیت پیدا ہو جائے گی کہ اللہ کی ذات کو اپنی صلاحیت کی مقدار کے لحاظ سے کم یا زیادہ مشاہدہ کر سکے۔

میں! مگر قبلہ، یہ تو بہت مشکل کام ہے۔

مولانا! ہاں! ہے تو مشکل مگر برخوردار من خدا کا دیدار بھی تو معمولی چیز نہیں۔ دنیا کے کسی معمولی حاکم یا گورنر وغیرہ کے حضور میں جانا ہو تو اس کے لئے کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ تو خدا تک پہنچنے اور اس کا مشاہدہ کرنے کے لئے تو اگر جان بھی دینی پڑے تو کچھ بڑی بات نہیں۔

میں۔ تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟

مولانا! سچی طلب اور تڑپ اور ان تھک محنت سے کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔

میں! قبلہ مجھے تو صاف الفاظ میں یہ بتادیں کہ تزکیہ اخلاق کے لئے کیا کیا کرنا چاہئے۔

مولانا! اچھا سنئے۔ پہلی بات تو یہ کہ پانچ وقت نماز کے پابند رہو۔

دوسری بات یہ کہ ذکر جتنا بھی زیادہ ہو سکے کرو۔ ذکر سے مراد یہ ہے کہ زبان سے اللہ اللہ کہو اور دل میں اس کی یاد مستقل طور پر قائم کر لو۔

تیسری بات یہ کہ دنیا کے تمام حقوق خوشی سے پوری طرح ادا کرو۔ کراہت اور مجبوری سمجھ کر نہیں بلکہ خوشی سے ادا کرو۔ انہی میں تمہارے منصبی فرائض بھی شامل ہیں۔ چوتھی بات یہ ہے کہ طبیعت میں عاجزی اور فروتنی پیدا کرو۔ اپنے آپ کو کسی سے افضل اور کسی دوسرے کو اپنے سے کمتر یا ذلیل نہ سمجھو۔

پانچویں بات خلق خدا سے محبت کرو اور کسی کو اپنی کسی حرکت سے رنج نہ پہنچاؤ۔

میں! بجا فرمایا جزاک اللہ اب کچھ تبتل الیہ تبتیلا کے متعلق ارشاد فرمائیں کہ وہ کس طرح

کیا جاتا ہے۔

مولانا! اس کو تصوف کی اصطلاح میں ترک ماسوئ اللہ کہتے ہیں۔ اس کا مطلب بہت سے بزرگوں نے یہ لیا کہ دنیا اور دنیا والوں سے بالکل قطع تعلق کر کے جنگل اور پہاڑوں میں جا بیٹھو اور ہروقت اللہ کے ساتھ مشغول رہو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بڑے بڑے مراتب پائے۔ لیکن باوجود ازیں وہ غلطی پر تھے۔ کیونکہ ایک مسلمان کو فہم قرآن کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کے ہر حکم وہدایت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی روشنی میں سمجھے۔

اب ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر ایک سرسری نظر بھی ڈالیں تو صاف نظر آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ کبھی بھی نہیں کیا کہ دنیا سے بالکل بے تعلق ہو کر راہبانہ زندگی بسر کی ہو بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہمیشہ ایک متاہل زندگی بسر کی اور س کے ساتھ عوام کی ہدایت و خدمت میں بھی ہمیشہ مصروف رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملازمت بھی کی، تجارت بھی کی، مزدوری بھی اور بادشاہت بھی کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بہترین شوہر، بہترین باپ اور بہترین دوست تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجے کے قانون ساز، حاکم و ناظم اور جج بھی تھے۔ یہی نہیں بلکہ آپ ایک اول درجے کے سپاہی اور بے مثال جرنیل بھی تھے اور ان سب چیزوں کے ساتھ ساتھ آپ کا دلی تعلق سوائے خدا کے اور کسی چیز کے ساتھ نہ تھا۔ سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے ایک سیکنڈ کے لئے خدا کی یاد سے غافل نہ ہوتے تھے۔ اسی کا نام ہے ترک ماسوی اللہ۔

میں! سبحان اللہ مگر قبلہ یہ تو بہت ہی مشکل بات ہے۔

مولانا! پھر وہی برخوردار جتنا عظیم و عالی شان مقصد ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ مشکلات اس کے حصول میں پیش آتی ہیں۔ اگر خس و خاشاک اور کنکر پتھر اکٹھے کرنے ہوں تو گھر سے باہر نکلو اور فوراً گٹھڑی باندھ کر لے آؤ۔ لیکن اگر کان میں سے سونا حاصل کرنا ہو تو معلوم ہے کس قدر مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ سیدھی سی بات تو یہ ہے کہ اگر مشکلات کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہے تو اس راہ میں قدم ہی نہ رکھو۔ کس نے آپ سے کہا ہے کہ بیٹھے بٹھائے آرام و آسائش کی زندگی چھوڑ کر اس بکھیڑے میں پڑو اور اپنی جان کو روگ لگاؤ۔

میں! بالکل بجا فرمایا۔ اچھا تو اب مجھے بیعت کر لیں۔

مولانا! ان تمام باتوں کو جان لینے کے بعد بھی آپ بیعت ہونا چاہتے ہیں۔

میں! جی ہاں۔

مولانا! اچھا! ایک بات اور بتائیے کہ آپ محض روحانی ترقی کے لئے بیعت ہو رہے ہیں۔ دنیوی ترقی کا تو کوئی خیال مد نظر نہیں۔

میں! جی نہیں۔

مولانا! دل کو خوب ٹٹول لو۔ کبھی یہ خیال ہو کہ ہمارے مرشد بہت بڑے بزرگ ہیں۔ کرامات کے زور سے لکھ پتی بنا دیں گے۔ سونا بنانا بتا دیں گے یا دست غیب سکھا دیں گے۔ اگر اس قسم کا ذرا سا بھی کوئی خیال ہے تو خوب کان کھول کر سن لو کہ مجھے ان چیزوں میں سے کسی پر بھی قدرت حاصل نہیں۔ دوسری بات یہ کہ اگر دنیوی فوائد کا ذرا سا خیال بھی دل میں ہے اور زبان سے آپ اس کا انکار کر رہے ہیں تو آپ جھوٹے ہیں' منافق ہیں اور ایسے آدمی کو روحانیت تو کیا نصیب ہو گی آخر میں سخت گھاٹا اور نقصان ہی رہے گا۔ اب فرمائیے کیا ارادہ ہے؟

میں! بیعت فرمالیجے۔

مولانا! بہت اچھا

اس کے بعد مولانا نے اپنی جیب سے کچھ پیسے دے کر مٹھائی منگوائی اور مجھے بیعت کر لیا۔ مولانا سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ تھے۔ بہت مختصر سا ذکر وغیرہ کرنے کو بتایا۔ وہی جو میں آپ حضرات کو بتایا کرتا ہوں یعنی چوبیس گھنٹے پاس انفاس اور کسی ایک نماز کے بعد نفی اثبات۔ فرق صرف یہ ہے کہ مولانا نے مجھکو پانچ ہزار مرتبہ نفی اثبات کا ذکر بتایا تھا اور میں آپ کو ایک تسبیح سے لے کر زیادہ سے زیادہ پانچ تسبیح تک بتاتا ہوں۔ تعجب یہ ہے کہ خاندان نقشبندیہ میں ذکر بالجہر منع ہے لیکن مولانا نے مجھے ذکر بالجہر ہی بتایا تھا۔ اس کے علاوہ تزکیہ اخلاق کی ہدایت کی تھی۔

بیعت ہونے کے بعد میں نے بڑی جانفشانی اور جوش و خروش سے تین برس متواتر اپنے اوراد جاری رکھے اور ان تین برسوں میں اللہ کے فضل و کرم سے تین لطیفے قلب۔ روح اور سر روشن ہو گئے اور ان کے دوائر کی سیر بھی میسر آگئی۔ اس پر مولانا نے مجھے مبارک باد دی اور تحریری اجازت بیعت کرنے کی عطا فرمائی۔ اس وقت میری عمر بمشکل 23 برس کی ہو گی۔ بدیں وجہ مولانا نے اجازت نامہ میں یہ لکھ دیا کہ اگرچہ بیعت کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے لیکن جب تک چالیس سال کی عمر نہ ہو جائے کسی کو بیعت نہ کرنا۔ اس کے ساتھ ہی یہ ہدایت کی کہ اب تم نوافل تہجد پر بہت زور دو اور جس قدر زیادہ ممکن ہو تلاوت اور تفکر یعنی مراقبے میں وقت گزارا کرو۔ اس صحبت کے بعد حضرت مولانا سے بہت دفعہ ملاقات ہوئی یہاں تک کہ 1920ء میں ان کا انتقال ہو

گیا۔

اب مجھ کو یہ بتانا چاہیے کہ مولانا کی تعلیم کیا تھی۔ لیکن اس سے پہلے یہ بتا دینا بہت ضروری ہے کہ جب دس سال تک میں بڑے بڑے بزرگوں سے ملتا رہا اور ان میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تو مولانا کریم الدین احمد رحمت اللہ علیہ میں وہ کونسی خوبی تھی کہ پہلی ہی ملاقات اور پہلی ہی نشست میں ان سے بیعت ہو گیا۔ تو وجہ اس کی یہ ہوئی کہ میں نے اپنے دادا حضرت رحمت اللہ علیہ سے جو خوبیاں اور نشانیاں ایک اچھے بزرگ کی سنیں اور کتب تصوف میں پڑھی تھیں۔ حضرت مولانا میں وہ سب کی سب موجود تھیں۔

اول تو یہ کہ وہ شریعت کے بہت سخت پابند بلکہ مجسم شریعت تھے۔

دوسرے یہ کہ وہ نہ صرف ایک جید عالم دین تھے بلکہ دنیوی علوم حاضرہ میں بھی کافی دستگاہ رکھتے تھے۔

تیسرے یہ کہ ان کا اخلاق بہت ہی اچھا تھا غریب اور امیر بادشاہ اور فقیر سب کو ایک نظر سے دیکھتے اور اس قدر نرمی' پیار' تواضع اور خلوص سے ملتے جس کی نظیر ملنی مشکل تھی۔

چوتھے یہ کہ آپ نہایت سادہ مزاج تھے اور بہت ہی سادہ زندگی گزارتے تھے۔ دہلی سے کوئی پچیس تیس میل جنوب میں "دھوج" نامی ایک قصبے کے باہر ایک کچا احاطہ تھا جس میں تین چار چھپر پڑے ہوئے تھے۔ یہی مولانا کا کاشانہ تھا۔ دو چار میو خدمت کیا کرتے تھے اور روٹی وغیرہ پکا دیتے اور دوسری خدمات انجام دیتے تھے۔ مولانا صرف ایک جوڑا کپڑا کھدر کا رکھتے تھے جس کو وہ ہر جمعہ کے دن نماز سے پہلے خود دھو کر پہن لیتے تھے۔ ہر چھ ماہ بعد ایک نیا جوڑا بناتے اور پرانا جوڑا کسی غریب کو دے دیا کرتے۔

مولانا کے بال بچے بڑی عمر کے تھے اور سب اپنے اپنے گھروں میں خوش تھے۔ مولانا پر کسی کا بوجھ نہ تھا وہ اکیلے ہی رہتے تھے۔ مہینے میں ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لئے دہلی تشریف لاتے اور بعض اوقات پندرہ بیس دن تک قیام فرماتے۔

آپ ہمیشہ چاندنی چوک کے کسی بہترین ہوٹل میں ٹھہرتے اور دو تین کمرے کرایہ پر لے لیتے۔ یہاں ہر وقت مریدوں کا تانتا لگا رہتا اور مولانا خود سب کو کھانا کھلاتے۔ میں نے مولانا کو کبھی کسی دعوت پر جاتے نہیں دیکھا۔

• مولانا مشہور بالکل نہ تھے بلکہ ایک گمنام بزرگ اور ہر لحاظ سے کامل فقیر تھے۔ مولانا کسی گدی

یا خانقاہ کے سجادہ نشین نہ تھے۔ وہ قبروں بلکہ بڑے بڑے مزاروں پر جانے کو بھی اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے۔ بزرگوں کا بڑا احترام کرتے لیکن خدا کے سوا مشکل کشا کسی کو نہ مانتے تھے۔ غرض یہ کہ وہ ایک بہت پکے موحد تھے۔ موحد میں نے غلط کہا، موحد نہیں بلکہ پکے توحیدی تھے۔

آپ کو موحد اور توحیدی کا فرق معلوم ہے؟ موحد آج کل کے تصوف کی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جو وحدت الوجود یعنی "ہمہ اوست" کا قائل ہو۔ یعنی یہ سمجھتا ہو کہ جو کچھ موجود ہے سب خدا ہے اور جتنی چیزیں نظر آتی ہیں یہ بھی خدا ہی کی تجلیات ہیں۔ یہ عقیدہ چونکہ تعلیم قرآن کے خلاف ہے۔ اس لئے میں "توحیدی" کا لفظ استعمال کرتا ہوں۔ روحانی طاقت اور کشف و کرامات کے لحاظ سے بھی مولانا عدیم المثال نہیں تو فقید المثال ضرور تھے۔ مجھے جو مولانا کی بات سب سے زیادہ پسند آئی وہ ان کی سادگی اور جدید علوم سے واقفیت تامہ تھی۔ وہ بڑے بڑے الجھے ہوئے مسائل حیات اور مسائل الہیات کو ایسے دلکش اور معمولی بات چیت کے انداز میں بیان فرماتے تھے کہ بڑے بڑے فلاسفروں اور ڈاکٹروں سے لے کر معمولی تعلیم یافتہ آدمی بھی آسانی سے سمجھ جاتے تھے۔ مولانا صرف شراب طہوریٰ پلانے والے ساقی ہی نہ تھے۔ بلکہ تشنگان علم و ادب کی پیاس بجھانے والے دریا بھی تھے۔ موجودہ زمانے کے مسائل حیات پر مولانا کی نظر بہت گہری تھی۔ وہ صرف اللہ اللہ ہی نہیں سکھاتے تھے بلکہ یہ بھی بتاتے تھے کہ دنیا میں آرام و سکون اور عزت و ترقی کی زندگی بسر کرنے کا راز کیا ہے۔

علامہ اقبال کے بڑے مداح تھے۔ مولانا سے ایک دو مرتبہ قوم کے زوال اور موجودہ زبوں حالی پر گفتگو ہوئی تو مولانا نے کئی گھنٹے اس قدر سیر حاصل بحث اس موضوع پر کی کہ سننے والے جن میں سب کے سب انگریزی تعلیم یافتہ اور کئی پی۔ ایچ ڈی تھے عش عش کر اٹھے۔

مولانا نے جو کچھ فرمایا وہ سب کا سب بیان کرنا تو ان صفحات میں ممکن نہیں۔ ہاں تصوف کے نقطہ نظر سے جو کچھ فرمایا اس میں سے جو کچھ اس وقت یاد آ رہا ہے اس کے بیان کرنے میں مضائقہ نہیں۔ بلکہ کچھ مفید ہی معلوم ہوتا ہے۔

مولانا فرمایا کرتے تھے کہ صوفیوں اور فقیروں کی قسمیں تو ہزاروں ہیں لیکن تصوف کی قسمیں صرف دو ہیں۔ ایک صحوی دوسری سکری۔

صحوی تصوف کے معنی ہیں تصوف بیدار، سکری تصوف کے معنی ہیں تصوف خفتہ۔ جب تک کسی قوم کے صوفیوں میں تصوف بیدار کار فرما ہوتا ہے وہ قوم برابر ترقی کرتی رہتی ہے اس قوم میں

زندگی، خوشی، خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قوم کے صوفی یعنی روحانی علماء زندگی کے تمام رازہائے سربستہ اور انسانی فطرت سے خوب واقف ہوتے ہیں اور یہی تعلیم وہ اپنے مریدوں اور اپنی قوم کو دیتے ہیں۔ تصوف بیدار صوفی میں دانشمندی، فراست اور دانشوری پیدا کرتا ہے۔ ایسے صوفی بین الاقوامی مسائل اور اپنے معاشرے اور قوم کی خوبیوں اور خامیوں سے خوب اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔ وہ آئندہ صدیوں تک آنیوالے واقعات اور انقلابات کو اس طرح دیکھتے اور سمجھتے ہیں جیسے روز روشن میں یہ سب ان کی آنکھوں کے سامنے موجود ہوں۔ یہ لوگ آئندہ پیش آنے والے واقعات کو کشف سے کم لیکن اپنے علم و فراست سے زیادہ معلوم کرتے ہیں اور اپنی قوم کے لئے اپنے علم و فراست کی روشنی میں ایک ایسا لائحہ عمل اور دستور پیش کرتے ہیں کہ اگر قوم اس پر کاربند رہے تو دوسری قوموں سے کبھی شکست نہیں کھا سکتی۔ اس کو ہرگز زوال نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی رہتی ہے۔

اسلام کے پہلے تیس سالہ دور میں ترقی کا موجب رسول اکرم ﷺ کا پیش کردہ دستور العمل ہی تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے مکتبی تعلیم بالکل نہیں پائی تھی۔ باوجود ازیں آپ انسان کے معیشتی اور معاشرتی مسائل کو جتنی اچھی طرح سمجھتے اور جانتے تھے کیا کوئی بڑے سے بڑا فلاسفر یا عالم اس بات کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ ان مسائل کو رسول خدا ﷺ سے زیادہ اچھی طرح سمجھتا اور جانتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ حقیقت ذات و صفات باری تعالیٰ کی معرفت کے ساتھ ساتھ حقیقت الاشیاء اور حقیقت فطرت انسانی کا اتنا وسیع عرفان رکھتے تھے جو دنیا میں کسی اور انسان کو نہ کبھی حاصل ہوا اور نہ آئندہ ہو گا۔ اس کے ساتھ ہی حضور ﷺ کو تائید الٰہی بھی حاصل تھی۔ یعنی وحی بھی ہوتی تھی۔ پھر حضور ﷺ سے اچھا دستور العمل انسان کے لئے کون پیش کر سکتا تھا یا کر سکتا ہے۔ دنیا کی جتنی قومیں اس وقت ترقی کے نقطہ عروج پر پہنچی ہوئی ہیں سب کے معاشرتی اور معیشتی قوانین و قواعد پر غور سے نظر کرو تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ ان سب نے اسلام ہی کے قوانین و قواعد کو اپنا رکھا ہے۔ لیکن افسوس اور رونا اس بات کا ہے کہ مسلمانوں نے صرف تیس چالیس برس حضور ﷺ کی تعلیم پر عمل کیا اس کے بعد تاریخ شاہد ہے کہ جیسے جیسے مسلمان حضور اکرم ﷺ کے بنائے ہوئے دستور العمل سے ہٹتے گئے ان پر زوال آتا گیا۔ یہاں تک کہ آج ہم جیسے کچھ مسلمان ہیں اور اسلام کی تعلیم پر جیسا کچھ عمل کر رہے ہیں اور دنیا میں ہماری جو کچھ حیثیت

دوسری اقوام کے مقابلہ میں ہے وہ ظاہر و باہر ہے۔

مولاناؒ فرمایا کرتے تھے کہ رسول خدا ﷺ دنیا کے نہ صرف سب سے بڑے صوفی بلکہ تمام گذشتہ اور آئندہ صوفیوں کے سردار تھے۔ اگر کوئی شخص حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو صوفی نہیں سمجھتا تو سمجھ لو کہ وہ جاہل ہے تصوف کو نہیں جانتا۔

صوفی ہونے کے لئے جتنی شرطیں ضروری ہیں۔ رسول اکرم ﷺ میں وہ سب بدرجہ اتم موجود تھیں۔ صوفی موٹے جھوٹے بلکہ اونٹ کے بالوں سے بنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے حضور ﷺ بھی کملی پوش تھے۔ اللہ نے بڑے لاڈ سے سورہ مزمل میں حضور ﷺ کو کملی والا کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ صفائے قلب، تزکیہ اخلاق، خوش خلقی، عاجزی، انکساری، مساوات سب صوفیوں کی صفات ہیں اور یہ سب رسول خدا ﷺ میں بدرجہ کمال موجود تھیں۔ روحانی طاقت و کشف و کرامات یعنی معجزات میں حضور ﷺ فرد تھے اور ہمیشہ فرد ہی رہیں گے۔ آخری زمانہ میں حضور ﷺ کے پاس مال غنیمت سے اتنی دولت آتی تھی کہ حضور ﷺ کے برابر عرب میں کوئی مالدار ہی نہ تھا۔ خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ والضحیٰ میں فرمایا ہے۔

ووجدک عائلا فاغنی

یعنی "کیا ہم نے نہیں پایا تم کو تنگ دست اور نہیں کر دیا تم کو مالدار"

لیکن باوجود اس افراط دولت کے حضور ﷺ کا یہ حال تھا کہ جتنا مال اور سونا چاندی کسی دن حضور ﷺ کو ملتا وہ سب کا سب شام کو سورج غروب ہونے سے پہلے غریبوں اور حاجتمندوں کو دے ڈالتے اور خود اکثر فاقے سے رہتے۔ کیا یہ صوفیوں کی سنت اور عادت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جب سارا عرب مسلمان ہو گیا تو حضور ﷺ تمام ملک کے بادشاہ یا حاکم مطلق تھے۔

حضور ﷺ کے حکم کے خلاف کوئی نظر بھی نہ اٹھا سکتا تھا۔ لیکن حضور ﷺ نے اپنی اس حیثیت سے کبھی ذاتی فائدہ نہیں اٹھایا۔ حضور ﷺ بادشاہ ہو کر بھی فقیر ہی رہے۔ نہ صرف اپنا بلکہ غریب سے غریب لوگوں کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ معمولی لباس زیب تن فرماتے، چٹائی پر سوتے، کمبل اوڑھتے اور ہر وقت خدمت خلق میں مصروف رہتے۔ کیا یہ سب باتیں صوفیوں اور تصوف کی شرائط اور لوازمات سے نہیں ہیں۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ حضور ﷺ صوفی نہ تھے۔

ہاں! یہ ضرور ہے کہ حضور ﷺ کا تصوف، تصوف بیدار تھا اور یہ اسی کی برکت ہے کہ آج

اس سطح زمین پر ساٹھ کروڑ مسلمان موجود ہیں۔ لیکن اگر یہ مسلمان دوسری اقوام عالم کے مقابلہ میں کمزور ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ہزار بارہ سو سال سے مسلمان صوفیوں نے تصوف بیدار کو چھوڑ کر تصوف خفتہ کو اپنا لیا ہے۔

تصوف خفتہ کی بابت مولانا فرماتے تھے کہ یہ انسانیت کی افیم ہے۔ خفتہ تصوف والے صوفی فرشتہ تو بن سکتے ہیں لیکن انسان نہیں رہتے۔ میں نے ایک مرتبہ پوچھا کہ قبلہ یہ خفتہ تصوف کیا ہے اور خفتہ تصوف والے صوفی کون ہیں۔ فرمایا کہ آج کل تو ہزار سچے صوفیوں میں سے 999 خفتہ صوفی ہی ہیں۔ ان کو نہ خدا کا پتہ ہے کہ وہ کیا ہے اور اس کی صفات کیسے کام کرتی ہیں۔ نہ اشیاء کی معرفت حاصل ہے۔ نہ انسانی فطرت کی خبر ہے۔ یہ زندگی کے راز سے بے خبر ہیں۔ نہ دور حاضر کے مسائل سے واقف ہیں۔ ہر وقت روحانی کیف و استغراق میں مدہوش و مبتلا۔ "لا اور پلا لا اور پلا" کی تکرار میں کھوئے رہتے ہیں۔ ان کو اپنا ہی پتہ نہیں' دوسروں کی کیا اصلاح کریں گے اور قوم کو کیا سیدھا راستہ کیا بتائیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ ان میں سے بعض بعض میں بہت بڑی روحانی طاقت و قدرت ہوتی ہے۔ وہ مردے زندہ کر سکتے ہیں۔ پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہیں۔ لیکن یہ سب بیکار ہے۔ جتنے پیغمبر دنیا میں آئے سب کے سب اپنی قوم کی ہدایت اور خدمت کے لئے آئے تھے۔ ان پیغمبروں کو اللہ نے ہر قسم کی صلاحیتیں اور بے پناہ طاقتیں دی تھیں لیکن سبھی نے ان طاقتوں اور صلاحیتوں کو اپنی قوم کی اصلاح و بہبودی کے لئے صرف کیا۔ کسی ایک نے بھی خود کوئی ذاتی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس صوفی یا بزرگ میں اس قسم کی طاقتیں ہوں اور وہ ان کو اجتماعی طور پر قومی اصلاح و فلاح کے لئے صرف نہ کرے خود ہی مزے لوٹتا رہے وہ حضور اکرم ﷺ کا سچا پیرو کار نہیں ہے اور یہ لوگ انفرادی طور پر جو کچھ فائدہ دعا یا کرامات کے زور سے پہنچاتے بھی ہیں وہ کوئی خاص قابل قدر چیز نہیں ہے۔ بلکہ اس سے قوم کو الٹا نقصان پہنچتا ہے۔ لوگ اللہ کو چھوڑ کر خود انہی کی پرستش شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبریں پوجتے ہیں اور قوم اسلام سے ہٹتے ہٹتے مشرک ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ نقصان اور کیا ہو گا۔

الغرض! یہ تھی حضرت مولانا کریم الدین احمد رحمت اللہ علیہ کی تعلیم جو وہ مجھے اور دوسرے مریدوں کو دیا کرتے تھے۔ اس تعلیم کا بہت مختصر یا لب لباب میں نے آپ کے سامنے بیان کر دیا ہے۔ اور محض اس لئے کیا ہے تاکہ آپ کی سمجھ میں آجائے اور آپ کو معلوم ہو جائے کہ تصوف

میں میرا رنگ اور میرے عقائد کیا ہیں اور میں آپ لوگوں کو کیا سکھانا اور کیا بتانا چاہتا ہوں۔ اچھی طرح کان کھول کر سن لو کہ میں تم سب کو بیدار بلکہ زندہ صوفی بنانا چاہتا ہوں۔ جو لوگ میری اس تعلیم پر عمل کریں گے دین و دنیا میں سرخرو ہوں گے اور جو اس سے برگشتہ ہو کر صرف شراب طوری کے نشہ میں بے خودی اور سرمستی کے مزے لوٹتے رہیں گے وہ آخر کار خراب و خوار ہوں گے اور پچھتائیں گے۔ یہ شرابی تصوف قوم کے لئے موت کا پیغام ہے۔ یہ آدمی کو سست' کاہل' بے کار اور نکما بناتا ہے۔ غور تو کرو کہ ایسے صوفی اور ایک چرسی یا بھنگڑی میں کیا فرق ہے۔

لہٰذا جب اللہ تعالیٰ تمہاری محنتوں کا صلہ اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائے اور روحانی برقی قوت تمہارے قلوب میں پیدا ہو جائے تو اس کے نشہ سے مغلوب مت ہو۔ بلکہ کام میں لگ جاؤ اور پہلے کی نسبت اور زیادہ شوق اور جوش سے عمل کرو' عمل کرو اور عمل کرتے رہو۔ روحانی نشہ میں بیکار مت پڑے رہو۔ اپنی اصلاح کرو۔ دنیوی ترقی کے لئے راہیں نکالو اور ان پر عمل کرو۔ خلق خدا کی خدمت کرو۔ اور سب کے ساتھ محبت سے پیش آؤ۔ کتنی ہی تکلیفیں اور مصیبتیں پڑیں مایوس اور اداس مت ہو۔ ہمت نہ ہارو' ہمیشہ خوش رہا کرو۔ دل میں خدا کو بسائے رکھو۔ ہاتھ پاؤں کو خدمت خلق میں لگائے رکھو۔ اسی میں کامیابی ہے۔ یہی دائمی مسرت اور حقیقی زندگی کا راز ہے۔ مرتے دم تک کام کرتے رہو اور خدا کی یاد میں مرجاؤ۔ تمہیں کیا خبر یہ کتنا بڑا کام ہے اور مرنے کے بعد اس کا کیا انعام ملے گا۔ جنتیں تو ایک گھٹیا سودا ہے۔ ایسی زندگی کا صلہ تو خود خدا ہے۔ باقی باتیں مفصل طور پر "تعمیر ملت" اور "طریقت توحیدیہ" میں موجود ہیں۔ ان کو اتنا پڑھو کہ زبانی یاد ہو جائیں اور ان پر عمل کر سکو۔

آؤ اب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کی مدد فرمائے۔ ہم کو مرتے دم تک صراط مستقیم پر قائم رکھے۔ اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی اور اپنی مخلوق کی محبت عطا فرمائے۔ ہمیں بنی نوع انسان کی خدمت کا جذبہ دے اور ہمارا خاتمہ اسلام پر کرے۔ آمین یا رب العالمین

بحوالہ! چراغ راہ خطبہ نمبر1)

روزے کابیان

(محمد یوسف اصلاحی)

رمضان کا روزہ اسلام کا تیسرا اہم رکن ہے' قرآن پاک میں نہ صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ رمضان کے روزے رکھو بلکہ اس کے آداب و احکام بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اور رمضان کی عظمت و برکت کے وجوہ پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ پہلے ہم اس مہینے کے فضائل و برکات بیان کرتے ہیں۔ جس کے لئے روزے شریعت نے مسلمان پر فرض کئے ہیں۔

رمضان المبارک کے وسائل

رمضان کی عظمت و فضیلت قرآن میں

قرآن پاک میں رمضان کی عظمت و فضیلت کے تین وجوہ بیان کئے گئے ہیں۔

1۔ نزول قرآن' یعنی اسی مہینے میں قرآن پاک نازل ہوا۔

2۔ لیلتہ القدر' یعنی اسی مہینے میں ایک رات ایسی مبارک ہے کہ وہ خیر و سلامتی میں ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

3۔ فرضیت سوم' یعنی اسی مہینے میں روزے مسلمانوں پر فرض کئے گئے ہیں۔

انہی فضائل کی بناء پر نبی اکرم ﷺ نے اس کو شہر اللہ (اللہ کا مہینہ) کہہ کر خدا تعالیٰ کی طرف نسبت کا شرف بخشا ہے' اور اس کو تمام مہینوں سے افضل قرار دیا ہے۔ ذیل میں ان وجوہ کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

فضیلت رمضان کے وجوہ

1۔ نزول قرآن۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

شهر رمضان الذی انزل فيه القران هدی للناس وبينت من الهدی والفرقان (البقره 185)

"رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں القرآن نازل کیا گیا۔ جو سارے انسانوں کے لئے ہدایت ہے' جو راہ حق دکھانے والی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی کتاب ہے"

رمضان کی عظمت و فضیلت کے لئے صرف یہ بات کیا کم ہے کہ اس میں خدا نے ہدایت کی آخری

کتاب نازل فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانیت اگر سرچشمہ ہدایت سے محروم ہوتی تو یہ پورا کارخانہ ہستی سورج کی تابناکی اور چاند کی تاروں کی دل آویز روشنی کے باوجود تیرہ و تر ہوتا' اور ساری صناعی اور حسن و جمال کے باوجود کائنات نہ صرف بے رونق بلکہ نامکمل اور بے مقصد ہوتی اور کفرو الحاد اور شرک و معصیت میں بھٹکے ہوئے انسان جنگل کے درندوں سے زیادہ بدتر ہوتے۔ قرآن پاک اس سرزمین پر ہدایت اور روشنی کا ایک ہی سرچشمہ ہے۔ جو اس سے محروم ہے وہ **یقیناً** ہدایت اور خیر سے محروم ہے۔

2۔ لیلتہ القدر! قرآن پاک میں صراحت ہے کہ قرآن رمضان میں نازل کیا گیا۔ اور یہ کہ لیلتہ القدر میں نازل کیا گیا ہے۔

انا انزلنه فی لیلته القدرO وما ادرک ما لیلته القدرO لیلته القدر خیر من الف شهره تنزل الملئکته والروح فیها باذن ربهم من کل امر سلم هی حتی مطلع الفجر (القدر 1 تا 5)

"ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور روح الامین اپنے رب کے حکم سے ہر ایک کام کے انتظام کے لئے اترتے ہیں۔ سلامتی ہی سلامتی! یہاں تک کہ صبح ہو جائے"

اس کے لازمی معنی یہ ہیں کہ لیلتہ القدر رمضان ہی کی کوئی رات ہے اور حدیث میں وضاحت ہے۔

"اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے" (سلمان فارسیؓ مشکوۃ)

اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا۔

"لیلتہ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں تلاش کرو" (بخاری)

3 فرضیت سوم! خدا نے روزے جیسی اہم عبادت کے لئے اس مہینے کو مقرر فرمایا اور اس پورے مہینے کے روزے مسلمانوں پر فرض کئے۔ قرآن میں ہے۔

فمن شهد منکم الشهر فلیصم (البقرہ 185)

"پس جو شخص بھی تم میں سے اس مہینے کو پائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے"

رمضان کی عظمت و فضیلت حدیث میں

نبی اکرم ﷺ نے رمضان کی عظمت و برکت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے سارے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں' ان میں سے کوئی بھی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جنت کے تمام

دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ان میں سے کوئی بھی دروازہ بند نہیں رہتا اور خدا کا منادی پکارتا ہے کہ اے بھلائی اور خیر کے طالب آگے بڑھ اور اے برائی اور بد عملی کے شائق رک! اور خدا کی طرف سے بہت سے نافرمان بندوں کو دوزخ سے رہائی بخشی جاتی ہے اور یہ رمضان کی ہر رات میں ہوتا ہے۔

اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کی روزی میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

رمضان تمام مہینوں کا سردار ہے۔

اس مہینے کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش جہنم سے رہائی اور نجات ہے

اس مہینے میں جو شخص خدا کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنی خوشی سے کوئی نفل نیکی کرے گا وہ دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر اجر و ثواب پائے گا اور جو کوئی ایک فرض ادا کرے گا وہ دوسرے مہینوں کے ستر 70 فرضوں کے برابر اجر و ثواب کا مستحق ہو گا۔

رمضان کی عظمت و اہمیت تاریخ میں

تاریخ کی شہادت ہے کہ حق و باطل کی پہلی فیصلہ کن جنگ (غزوہ بدر) اسی مہینے میں ہوئی اور حق کو باطل سے ممتاز کر دینے والا مبارک دن جس کو قرآن نے "یوم الفرقان" کہا ہے رمضان ہی کا ایک مبارک دن تھا، اسی دن حق کو پہلی فتح حاصل ہوئی اور باطل سرنگوں ہوا۔ پھر تاریخ کی شہادت یہ بھی ہے کہ رمضان ہی میں مکہ بھی فتح ہوا۔ ان معلومات کو مرتب کر کے غور کیجئے۔

"حق کی ہدایت اسی مہینے میں نازل ہوئی"

"اسلام کو ابتدائی غلبہ اسی مہینے میں حاصل ہوا"

"اور اسلام کو مکمل غلبہ بھی اسی مہینے میں نصیب ہوا"

رمضان کا مہینہ ہر سال انہی حقیقتوں کو یاد دہانی کے لئے آتا ہے۔ شریعت نے اس مہینے میں روزے فرض کئے اور قیام لیل اور تلاوت قرآن کا نظم فرمایا تاکہ مومنین میں روح جہاد مردہ نہ ہونے پائے اور وہ سال میں کم از کم ایک بار رمضان میں قرآن سن کر یا پڑھ کر اپنا منصب اور فریضہ شعور کے ساتھ ذہنوں میں تازہ کر سکیں۔ قرآن کا نزول اور اس کی تلاوت اور روزے کی مجاہدانہ تربیت اسی لئے ہے کہ فرزندان اسلام دین کو غالب اور قائم کرنے ہی کے لئے زندہ ہیں اور کسی وقت بھی اس منصبی فریضے سے غافل نہ ہوں۔

روزے کے معنی

روزے کو عربی میں صوم یا صیام کہتے ہیں جس کے معنی ہیں کسی چیز سے رک جانا اور اس کو ترک کر

دینا۔ شریعت کی اصطلاح میں صوم سے مراد یہ ہے کہ آدمی صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی ضرورت پوری کرنے سے باز رہے۔

روزے کی فرضیت کا حکم

ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد اٹھارہویں مہینے میں رمضان کے روزے مسلمانوں پر فرض کئے گئے اور حکم دیا گیا۔

یایها الذین امنوا کتب علیکم الصیام (البقرہ:183)

"اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا"

روزہ فرض عین ہے جو شخص اس کا انکار کرے وہ کافر ہے اور جو کسی عذر کے بغیر نہ رکھے وہ فاسق اور سخت گنہگار ہے۔

روزے کی اہمیت

قرآن حکیم کی شہادت ہے کہ روزہ تمام آسمانی شریعتوں میں فرض رہا ہے اور ہر امت کے نظام عبادت میں اس کو ایک لازمی جزو کی حیثیت حاصل رہی ہے۔

کما کتب علی الذین من قبلکم (البقرہ۔183)

"جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں"

یہ آیت محض ایک تاریخی واقعہ بیان کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس اہم حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ہے کہ روزے کو نفس انسانی کی تربیت سے خصوصی تعلق ہے اور تزکیہ قلوب میں اس کو ایک فطری دخل ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تربیت و تزکیہ کا کورس اس کے بغیر پورا ہی نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی بھی دوسری عبادت اس کا بدل نہیں بن سکتی، یہی وجہ ہے کہ یہ تمام انبیاء کی سابقہ شریعتوں میں فرض رہا ہے۔

اس کی اہمیت واضح فرماتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔

"جو شخص کسی عذر (شرعی) اور مرض کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے وہ اگر عمر بھر بھی روزے رکھے تب بھی اس کی تلافی نہیں ہو سکتی"

یعنی رمضان کے روزے کی خیر و برکت اور فضیلت و اہمیت یہ ہے کہ اگر کوئی غافل دانستہ رمضان کا کوئی روزہ ترک کر دے تو اس محرومی اور خسران کی تلافی عمر بھر روزے رکھنے سے بھی نہیں ہو سکتی۔ ہاں اس کی قانونی قضا ہو سکتی ہے۔

روزے کا مقصد

روزے کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ آدمی میں تقویٰ پیدا ہو۔

لعلکم تتقون (البقرہ 183) "تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو"

تقویٰ دراصل اس "اخلاقی جوہر" کا نام ہے جو خدا کی محبت اور خوف سے پیدا ہوتا ہے۔ خدا کی ذات پر ایمان اور اس کی صفت رحمت و کرم اور فضل و احسان کے گہرے احساس سے جذبہ محبت جنم لیتا ہے اور اس کی صفت قہر و غضب اور عذاب و عتاب کے شعوری تصور سے جذبہ اخوت ابھرتا ہے اور محبت و خوف کی یہ قلبی کیفیت ہی تقویٰ ہے جو تمام اعمال خیر کا اصل سرچشمہ اور تمام اعمال بد سے روکنے کا حقیقی ذریعہ ہے۔

روزہ خدا کی ذات پر پختہ یقین اور اس کی دو گنا صفات' رحمت و کرم اور قہر و غضب کا گہرا احساس پیدا کرتا ہے۔ دن بھر مسلسل کئی گھنٹے اپنی انتہائی بنیادی اور ضروری خواہشات سے رکا رہنا آدمی پر یہ اثر چھوڑتا ہے کہ وہ انتہائی عاجز و درماندہ اور واقعی مجبور و محتاج ہے' وہ زندگی کی ایک ایک سانس کے لئے خدا کے فضل و کرم کا حاجتمند ہے اور پھر وہ زندگی کو خدا کی نعمتوں سے مالا مال دیکھ کر جذبات محبت سے سرشار ہو جاتا ہے اور جب وہ اپنی انتہائی پرزور اور ہیجانی خواہشات سے تنہائی کے ان گوشوں میں بھی رکا رہتا' جہاں اس پر خدا کے سوا کسی کی نظر نہیں پڑتی تو اس سے خدا کے خوف اور ہیبت کا احساس گہرے سے گہرا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کے دل پر خدا کی عظمت و جبروت کا سایہ اس طرح چھا جاتا ہے کہ وہ پھر گناہ کے تصور سے بھی کانپنے لگتا ہے۔

حقیقی روزہ

لیکن روزے کا یہ عظیم مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب روزہ پورے احساس و شعور کے ساتھ رکھا جائے اور ان تمام مکروہات سے اس کی حفاظت کی جائے جن کے اثر سے روزہ بے جان ہو جاتا ہے۔ حقیقی روزہ دراصل وہی ہے جس میں آدمی قلب و روح اور ان کی ساری صلاحیتوں کو خدا کی نافرمانی سے بچائے اور نفس کی ہر بری خواہش کو روند ڈالے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

"جب تو روزہ رکھے تو لازم ہے کہ تو اپنے کانوں' اپنی آنکھوں' اپنی زبان' اپنے ہاتھ اور اپنے سارے اعضائے جسم کو خدا کی ناپسندیدہ باتوں سے روک رکھے"

"جو شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنے اور جھوٹ پر عمل کرنے سے باز نہ رہا تو خدا کو اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی کوئی حاجت نہیں"

اور آپ ﷺ نے متنبہ فرمایا۔

"کتنے ہی روزے دار ایسے ہوتے ہیں کہ روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا ان کے پلے کچھ نہیں پڑتا"

روزے کی فضیلت

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے

"آدمی کے ہر عمل خیر کا اجر دس گنا سے سات گنا تک بڑھایا جاتا ہے۔ مگر خدا کا ارشاد ہے کہ روزہ کا معاملہ اور ہے' وہ تو خالص میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کا اجر دوں گا۔ بندہ میری ہی خاطر اپنی خواہشات اور اپنا کھانا پینا چھوڑتا ہے روزے دار کے لئے دو مسرتیں ہیں۔

ایک افطار کے وقت (جب وہ اس جذبے سے سرشار ہو کر خدا کی نعمتوں سے لذت اندوز ہوتا ہے کہ خدا نے اس کو ایک فریضہ پورا کرنے کی توفیق بخشی۔

دوسری مسرت اپنے پروردگار سے ملنے کے وقت (جب وہ خدا کے حضور باریابی پائے گا اور اس کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو روشن کرے گا)

اور روزے دار کے منہ کی بو خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے اور روزہ (گناہوں سے بچنے کی) ڈھال ہے اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ بے حیائی کی باتوں اور شور و ہنگامے سے دور رہے اور اگر کوئی گالی گلوچ کرنے لگے یا لڑنے جھگڑنے پر اتر آئے تو اس کو سوچنا چاہیے کہ میں روزہ دار ہوں (بھلا میرے لئے لڑنے جھگڑنے کی کیا گنجائش؟)

نیز ارشاد فرمایا۔

"جس شخص نے ایمانی شعور اور احتساب کے ساتھ روزے رکھے اس کے وہ سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں"

ایمانی شعور کے ساتھ روزہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے وجود پر یقین ہو' اس کے وعدوں پر یقین ہو اور یہ یقین ہو کہ عمل کا اجر لازما" آخرت میں ملے گا اور خدا ہی اپنے علم و حکمت اور عدل و کرم کی بنیاد پر اجر دے گا۔ یہاں احتساب کے معنی یہ ہیں کہ خدا کی رضا اور اجر آخرت ہی کے لئے روزہ رکھا جائے۔

ذکرِ الٰہی

(پروفیسر خواجہ عاشق حسین)

ذکر کے لغوی معنی بھولی ہوئی چیز کو یاد کرنا یا اسے بار بار یاد رکھنا مگر دین میں ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا اور یاد کرنا ہے۔ پس بندہ مومن کو ہر لحظہ خدا کو یاد کرتے رہنا چاہیے کیونکہ "جو دم غافل سو دم کافر" یعنی جو سانس خدا تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوئی وہی کفر کی حالت میں گزری۔

گویا ذکر الٰہی انوار رحمت کی کلید ہے اور رابطہ الٰہی کی ایک شکل ہے اس سے قربت الٰہی اور قلب انسانی سے روحانیت کی منازل میں ترقی ہوتی ہے روایت ہے کہ ایک روز حضرت ابو ہریرہؓ بازار گئے تو لوگوں کو مخاطب ہوئے کہ تم یہاں بیٹھے ہو اور مسجد میں نبی دو عالم ﷺ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے لوگ دیوانہ وار مسجد نبوی پہنچے وہاں کچھ لوگ ذکر الٰہی میں مشغول تھے اور کچھ تلاوت قرآن میں مصروف تھے حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ یہی میراث رسول ﷺ ہے۔

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

بخاری شریف میں بحوالہ حضرت ابو ہریرہؓ روایت منقول ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جس وقت بندہ میرا ذکر کرتا ہے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں تو اس وقت میں اپنے اس بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اس دنیا کی وہ تمام چیزیں جن پر سورج کی روشنی اور اس کی شعائیں پڑتی ہیں ان سب چیزوں کے مقابلے میں مجھے سب سے زیادہ عزیز ایک سبحان اللہ والحمد اللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ہے

حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانی اپنے مرشد کے حکم سے مسجد کے لئے گھاس لینے کے لئے گئے تو فطرت کی ہر چیز کو ذکر الٰہی میں مشغول پایا تو وہ گھاس جو سوکھا اور لا پرواہ تھا کو لے آئے ارشاد ربانی ہے کہ "یقینی بات ہے کہ نیکیاں گناہوں کا صفایا کر دیتی ہیں۔

صحرا صحرا ہیں کہ عصیاں میرے
دریا دریا ہے مگر رحمت تیری

اگر ریت کے ذرات کے برابر بھی گناہ ہوں تو ذکر الٰہی سے معاف ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جس نے روزانہ سو بار سبحان اللہ وبحمدہ کہا اس کے قصور معاف کر دیئے جائیں گے اللہ کے سچے طالب تو اللہ کی محبت میں اپنے سانس پر پہرہ بٹھا دیتے ہیں کہ ذکر سے خالی نہ جائے۔ بقول سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ

ذکر فکر وچ رہن ہمیشہ تے دم نوں قید لگاون ھو

بلاشبہ انسان کی محبت جو بیوی، بچوں، بہن بھائیوں اور عزیز و اقارب کے ساتھ ہوتی ہے شرعاً درست ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدرجہ اتم محبت ہونی چاہیے کہ یہ تمام محبتوں پر غالب آجائے۔ یہ محبت کی تحریک یکطرفہ نہیں بلکہ دونوں جانب سے ہے حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ جب بھی اور جہاں بھی کچھ بندگان خدا اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو لازمی طور پر فرشتے ہر طرف ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور اللہ بھی اپنے مقرب فرشتوں میں اپنے ذاکر مسلمانوں کا ذکر کرتے ہیں"

ذکر الٰہی شکر خداوندی کا بھرپور اظہار ہے سورۃ الرحمن میں ارشاد ہے کہ تم اپنے اللہ تعالیٰ کی کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے انسان کا ہر رگ و ریشہ منعم حقیقی کے ان گنت احسانات کے نیچے دبا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ان کا احاطہ ہی نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمارے سانس تو گنے ہوئے ہیں۔ اگر ہم ہر سانس کے ساتھ بھی اللہ کا شکر کریں پھر بھی نعمتوں کا حق ادا نہ ہو پائے گا۔ تاہم ہمیشہ ذکر میں رہنا چاہیے تاکہ ہمارا شمار غافلوں میں نہ ہو کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "جو میرے ذکر سے غافل ہو گا ہم اس کی معیشت تنگ کر دیں گے اور روز محشر اندھا کر کے اٹھایا جائے گا"

حضور سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب سبحان اللہ اور الحمد اللہ کا کلام ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال پر فرمایا کہ اے موسیٰ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور "لا الہ الا اللہ" دوسرے پلڑے میں ہو تو اس کا وزن زیادہ ہو گا۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے مسلمان کی پوری زندگی شکر و ذکر پر محیط ہے شکر، اخلاق، اعمال اور عبادات کا بنیادی جزو ہے ہر وہ

کام جو انسان خدا کی اطاعت میں جالائے ذکر الٰہی کے ضمن میں شمار ہوتا ہے۔

عصر حاضر کی بے سکونی کی کیفیت میں ذکر الٰہی روحانی قلبی جسمانی عوارض کا مجرب علاج ہے۔ اہل مغرب کی مادی ترقی کے باوجود ان میں نفسانی امراض کی کثرت اور خود کشی کے ذریعے اموات کی سب سے بڑی وجہ روحانی زندگی سے فرار اور ذکر الٰہی سے خالی ہونا ہے اب تو مسلمان معاشرہ بھی مغربی تہذیبی یلغار میں ہے اور ہر فرد کسی نہ کسی ذہنی قلبی کشمکش و بحران میں مبتلا ہے۔ ذہنی سکون اور اطمینان قلب کے لئے یاد الٰہی نہایت ضروری ہے نفسیاتی اور جسمانی اذیت کی بڑی وجہ غفلت اور لاپرائی ہے کیونکہ انسان کے خالق کا فرمان ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب "خبردار رہو کہ قلوب اللہ کے ذکر ہی اطمینان پاتے ہیں" اس لئے اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، وضو کرتے، کپڑے پہنتے اتارتے، سوار ہوتے، سفر پر روانہ ہوتے، گھر میں داخل ہوتے، زمین پر قدم رکھتے، غرض ہر حالت میں دل و جان سے ذکر الٰہی ہی سے اللہ کی محبت اور اس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ ہر لحظہ اور ہر لمحہ اللہ کی یاد میں مصروف رہتے تھے ربیعہ بن کعب سلمی راتکو آپ کے آستانہ اقدس پر حاضری دیتے تو بیان کرتے ہیں کہ آپ کی تسبیح اور تہلیل کی آواز سنتے سنتے میں تھک جاتا۔ حتیٰ کہ بدر کے مقام پر حضرت علی ؓ تین بار آستانہ اقدس پ حاضری دیتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کی پیشانی مبارک زمین پر ہے اور خشوع و خضوع سے بارگاہ ایزدی میں دعا گو ہیں۔ مادہ پرستی کے اس دور میں ہر فرد سکون اور راحت کا متلاشی تو ہے مگر کوشاں نہیں۔ دنیاوی آسائشوں سے جسمانی راحت تو حاصل ہو سکتی ہے مگر سکون قلب کے لئے تو اللہ کے ذکر کا نسخہ ہی مجرب ہے کیونکہ اللہ کا ذکر روح کی غذا ہے اور یہ غذا اسے بھر طور پر ہر موسم میں آخر دم تک ملتے رہنی چاہیے۔

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

ڈاکٹر موریس بوکائلے

ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

سوال! آپ نے قرآن کا غیر معمولی تحقیقی مطالعہ کیا ہے اس کا خیال آپ کو کیسے سوجھا؟

جواب! عام اہل فرانس کی طرح ابتداء میں میری رائے بھی یہی تھی کہ. قرآن حضرت محمد ﷺ کی تصنیف ہے اور بلاشبہ وہ زبردست صلاحیتوں کے حامل نابغہ انسان تھے۔ لیکن تعلیم سے فارغ ہو کر جب میں نے سرجن کی حیثیت سے باقاعدہ پریکٹس شروع کی اور اپنے مسلمان مریضوں اور واقف کار اہل اسلام سے گفتگوئیں ہوئیں تو انہوں نے مجھے احساس دلایا کہ قرآن اور پیغمبر اسلام کے بارے میں میری معلومات سطحی اور ناقص ہیں ثبوت میں انہوں نے ایسے شواہد پیش کئے کہ مجھے اپنے بعض خیالات پر نظر ثانی کرنی پڑی اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ فرانس کے اساتذہ' مذہبی رہنما' مصنّفین' صحافی اور ریڈیو' ٹی وی کے تجزیہ نگار سب اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں جھوٹ' مغالطہ انگیزی اور فریب کاری سے کام لیتے ہیں اس صورت حال پر میں بہت پریشان ہوا اور بل آخر ایک ہی حل ذہن میں آیا کہ مجھے عربی زبان سیکھنی چاہیے اور اس کی مدد سے براہ راست قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے چنانچہ اس وقت جب کہ میری عمر پچاس برس سے تجاوز کر چکی تھی۔ میں نے دو سال کا عرصہ عربی زبان و ادب پر عبور حاصل کرنے کے لئے وقف کر دیا اور پھر جب قرآن کو سمجھا اور اس کے مطالب پر غور و فکر کیا تو اس نتیجے پر پہنچنے میں مجھے کوئی دقت پیش نہ آئی کہ یہ کتاب واقعتاً" خدا کا کلام ہے اور محمد ﷺ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں۔

سوال! آپ سائنس دان ہیں اور آپ نے انسان کے آغاز کے بارے میں خاصی تحقیق کی ہے' اتفاق سے آج کل دنیا بھر میں ڈارون کی پہلی صد سالہ تقریبات منائی جا رہی ہیں براہ کرم ہمیں بتائیے کہ آپ ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟

جواب! میں ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا سخت مخالف ہوں' یہ قطعی طور پر مفروضوں پر مبنی ہے اور اس کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں۔ یہ نظریہ کہ انسان نے حشرات الارض سے بتدریج ارتقاء کی منزلیں طے کی ہیں کہ سائنسی تحقیق پر مبنی نہیں حقیقت یہ ہے کہ ڈارون کے نظریات ایک مادہ

پرست ذہن کے گمراہ کن اور عیارانہ تخمینوں کے سوا کچھ نہیں۔ چنانچہ میں نے اپنی تازہ کتاب ORIGIN OF MAN میں ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو باقاعدہ سائنسی تحقیق اور حوالوں سے باطل اور غلط ثابت کیا ہے۔

سوال! آپ کا کیا خیال ہے کہ ڈارون خود بھی اپنی فکر کی کمزوری سے آگاہ تھا؟

جواب! جی ہاں میرے خیال میں وہ خود بھی جانتا تھا کہ اس کے نظریہ کی کوئی بنیاد نہیں مادہ پرستی کی دنیا میں اس قسم کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ خدا کے منکر سائنس دان اور سکالر عموماً غلط اور بے بنیاد نظریات پیش کرتے ہیں وہ خود بھی جانتے ہیں کہ وہ خلق خدا کو دھوکا دے رہے ہیں مگر کمال ڈھٹائی سے اپنے کمزور لایعنی دعوؤں پر ڈٹے رہتے ہیں میں نے اپنی متذکرہ کتاب میں اس نوعیت کے کتنے ہی نظریات کی دھجیاں بکھیری ہیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ان کے پیش کرنے والے بعض "سائنس دان" اور "سکالر" نوبل انعام یافتہ ہیں۔

سوال! ہم آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا فرانس سے باہر بھی کسی ملک میں آپ کے خیالات کی پذیرائی حاصل ہوئی ہے؟

جواب! جی ہاں تھوڑا ہی عرصہ پہلے میں شمالی اور مغربی افریقہ کے کئی ملکوں کا دورہ کر کے لوٹا ہوں مجھے میری کتاب Origin of man اور Bible Quran Science and کے حوالے سے لا تعداد پر ہجوم اجتماعات میں خطاب کی بار بار دعوت دی گئی یہ اجتماعات اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں اور سکالروں پر مشتمل تھے اور ان میں باخبر جہاندیدہ اساتذہ اور علماء نے میرے خیالات پر کھلے عام تنقید کی جس کے جواب میں بل آخر وہ میرے ہم خیال ہو گئے اور ان گنت طلباء اور علماء نے باقاعدہ ملاقات کر کے مجھے مبارک باد دی اور اعتراف کیا کہ میری گفتگوئیں سن کر وہ پہلی بار قرآن کے تصور تخلیق کائنات اور نظریہ خلق انسان کے قائل ہوئے ہیں ان میں سے بعض مسلمانوں نے بے تکلفی سے اقرار کیا کہ میرے لیکچر سن کر وہ میری کتابیں پڑھ کر ان کا ایمان از سر نو تازہ ہوا ہے اور اب وہ پکے باعمل مسلمان بن گئے ہیں اور عبادات میں واقعتاً انہیں سرور ملتا ہے انہوں نے بتایا کہ اس سے قبل وہ یورپ کے مادہ پرست فلسفیوں اور سائنس دانوں کے گمراہ کن نظریات کو صحیح سمجھتے تھے جس کے نتیجے میں وہ تشکیک اور بے یقینی میں مبتلا ہو کر رہ گئے تھے۔

سوال! انسان کے بارے میں سائنس کا دعویٰ کیا ہے؟ اور اس سلسلے میں آخر سائنس اور مذہب میں تصادم کیوں ہے؟

جواب! میں نے اپنی کتاب ORIGIN OF MAN میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ سائنسی تحقیق کے اعتبار سے کتنی بات معتبر ہے اور کتنی غیر معتبر۔ اس سلسلے میں میں نے ایسے نظریات پر بھی بحث کی ہے جو شروع میں مسلمات کے حیثیت رکھتے تھے مگر بعد کی سائنسی تحقیقات نے قطعی بے بنیاد ثابت کر دیا ہے مثال کے طور پر 1851ء میں ڈاروان کی پہلی کتاب SPECIES ORIGIN OF شائع ہوئی جس میں اس نے ایک طرف تو یہ لکھا تھا کہ سارے حیوانات اپنی انواع کے اندر نسل بڑھاتے ہیں۔ مگر پھر یہ دعویٰ داغ دیا کہ "انسان کا سلسلہ نسب بندر سے جاملتا ہے" جب کہ ثبوت میں اس نے کوئی سائنسی تجزیہ پیش نہیں کیا۔

سوال! آپ کے خیال میں پھر اس بے بنیاد اور لایعنی نظریئے کی غیر معمولی اشاعت و فروغ کا سبب کیا ہے؟

جواب! حقیقت یہ ہے کہ بعض دوسرے لوگوں نے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کی شکل تک بدل دی اور جس بات کو اس نے مبہم انداز میں کہا تھا اسے حتمی دعوے کی صورت میں پیش کر دیا کہ "انسان بندر کی نسل سے ہے" افسوس کہ ڈارون نے اخلاقی جرات کا مظاہر کرتے ہوئے اپنے متعقدین کے اس دعوے کی تردید نہ کی اور اس طرح ڈارون کے حامیوں اور چرچ میں تصادم کی کیفیت شروع ہو گئی بہرحال اب وقت آگیا ہے کہ انسان کی ابتداء کے حوالے سے ڈارون پرستوں کے یکطرفہ، جارحانہ اور بے دلیل موقف اور سائنسی تحقیات کے درمیان حد فاصل قائم کی جائے۔

سوال! عموماً یوں ہوتا ہے کہ اس نوعیت کے سائنسی مباحثوں، مذاکروں اور تجربوں میں مذہبی کتابیں بھی زیر بحث آتی ہیں اور اسطرح ان کی کمزوریاں اور خامیاں منکشف ہوتی ہیں میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس حوالے سے کیا خدانخواستہ قرآن کی کسی غلطی اور خامی کا انکشاف بھی ہوا ہے؟

جواب! جہاں تک غیر مسلموں کی مذہبی کتابوں کا تعلق ہے یہ مختلف شخصیات کی وساطت سے نقل ہوتی ہوئی ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتی رہی ہیں۔ Jehovah اس سلسلے کی قدیم ترین کتاب ہے جو نو سو قبل مسیح میں کسی وقت لکھی گئی اور اگرچہ زیادہ ضخیم نہیں ہیں مگر اپنی نوعیت کی یہ جامع ترین کتاب ہے دوسری کتاب SACRODOTAL اگرچہ بائبل کا دیباچہ سمجھی جاتی ہے مگر 600 قبل مسیح میں منصہ شہود پر آئی۔ اس میں تخلیق کائنات اور زمین پر ظہور انسان پر بھرپور بحث کی گئی ہے اور کہانیوں کی صورت میں دونوں واقعات کی تفصیلات ملتی ہیں بائبل اس کے

بعد منظر عام پر آئی لیکن عہد نامہ جدید (New Test Ament) کی کسی کتاب میں ظہور انسان کے بارے میں کوئی خاص روشنی نہیں پڑتی اور عہد نامہ عتیق (Old Test Ament) ہی کی باتوں کو جیسا کہ وہ سینٹ لوقا کے حوالے سے بیان ہوئی ہیں، من و عن دہرا دیا گیا ہے۔ قرآن حضرت مسیح کے چھ سو سال بعد نازل ہوا اور اس میں انسان اور اس کی تخلیق کے بارے میں نہایت قابل قدر معلومات دی گئی ہیں ایسی معلومات جو عہد نامہ عتیق میں تھیں نہ عہد نامہ جدید میں اور نہ کسی دوسری مذہبی کتاب میں اس سلسلے میں اہم ترین بات یہ ہے کہ بائبل، توریت اور زبور کے برعکس قرآن اس حوالے سے ہر نوع کی غلطی، کمزوری، اور تضاد سے مکمل مبرّیٰ ہے۔

سوال! آپ کے خیال میں دیگر مذہبی کتابوں میں آخر اس قدر غلطیوں اور تضادات کی وجہ کیا ہے؟

جواب! میرے نزدیک عیسائیوں کی مذہبی کتب میں جملہ خامیوں اور تضاد بیانیوں کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کتابوں کے مرتب کرنے والے اپنے غرور نفس اور ہلکے پن کی وجہ سے اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ وہ جو کچھ لکھ رہے ہیں وہ ہم نہیں خدا کی طرف سے القا ہو رہا ہے حالانکہ انسان اور اس کی تخلیق کے حوالے سے ان لوگوں نے جو کچھ اپنی مذہبی کتابوں میں لکھ مارا وہ دراصل اپنے عہد کی روایات، من گھڑت قصوں اور لوگ کہانیوں ہی کی بازگشت تھا یہ حقیقت بائبل کے تمام شارحین اور مفسرین نے تسلیم کی ہے خواہ ان کا تعلق کیتھولک فرقے سے ہو یا پروٹسٹنٹ سے۔

سوال! جی ہاں چرچ نے اس حقیقت ثابتہ کا اقرار دوسری ویٹی کن کانفرنس کے دوران کیا اور یہ اس کی کاروائی کے ریکارڈ میں باقاعدہ موجود ہے یہ کانفرنس عہد نامہ قدیم اور جدید کو الہامی حیثیت دینے کے لئے منعقد ہوئی تھی اور اس کے شرکاء نے تسلیم کیا کہ ان کتابوں کے بعض حصوں میں تضادات بھی ہیں اور نقائص بھی۔

سوال! اس حوالے سے قرآن کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب! قرآن کا معاملہ تو بالکل ہی مختلف نوعیت کا ہے تمام باخبر علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو جبرائیل کے ذریعے محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں نے قرآن کو خصوصی غور و توجہ سے پڑھا ہے اور سائنسی نقطہ نظر سے کسی خامی یا تضاد کی ایک مثال بھی میری نظر سے نہیں گزری لیکن جہاں تک ان اعلیٰ تر صداقتوں اور حقیقتوں کا

تعلق ہے جو قرآن کے الفاظ میں مستور ہیں وہ چودہ سو سال کی تاریخ میں عام انسان کے فہم و شعور سے بالا رہی ہیں اور یہ بذات خود اس امر کا ثبوت ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور اس میں یقیناً ایسے مقامات بھی ہیں جو عام انسان تو کجا بہترین عقل و شعور اور اعلیٰ ترین ذہانت کے حامل افراد کی گرفت سے بھی باہر ہیں اور وہ کوشش کے باوجود قرآن میں بیان شدہ قدرت خداوندی (NATURE) کے حقائق کو جدید سائنس کے نظریات سے مکمل طور پر ہم آہنگ کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے۔

اس کے برعکس انجیل کے متعدد دعاوی جدید سائنسی نظریات سے ٹکراتے ہیں مثال کے طور پر انجیل کا واضح دعویٰ ہے کہ زندگی مختلف انواع کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی اور ان کے افعال میں ارتقاء یا ترقی کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی جب کہ قرآن کا یہ کہنا سائنسی حقائق سے مطابقت رکھتا ہے کہ انسان نے صدیوں کی تاریخ میں ارتقاء کے زبردست مراحل طے کئے ہیں میں عہد حاضر کے عیسائیوں کو بائبل کی ان فرد گذاشتوں کی طرف توجہ کرانا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں ایک غیر جانبدار، حق پسند انسان ہوں اور ایک سائنس دان کی حیثیت سے مختلف بیانات اور معاملات کو خالص سائنسی حوالے سے دیکھتا ہوں اور مذہب اور چرچ کے دعاوی کی پروا نہیں کرتا اس لئے میں یہ باتیں مختلف اوقات میں منتخب نوعیت کی مجالس میں کہتا رہا ہوں اور اصحاب فکر و نظر میری تائید کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے۔

سوال! میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ نے اسلام قبول کرلیا ہے؟

جواب! میں یہ وضاحت کردینا چاہتا ہوں کہ عربی زبان سیکھنے کے بعد جب میں نے قرآن کو سمجھ کر پڑھنا شروع کیا تو مجھے فوراً" ہی شرح صدر حاصل ہو گیا کہ اللہ وحدہ لاشریک اور ہر چیز پر قادر ہے اور جوں جوں میں قرآن کے مطالب کے قریب ہوتا گیا میری روح پکار پکار کر گواہی دیتی رہی کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس کے آخری نبی محمد ﷺ پر براہ راست نازل کیا گیا ہے چنانچہ میں نے اپنی کتاب "بائبل، قرآن اور سائنس" میں اسی نوعیت کے حقائق کو بیان کیا ہے اور پوری مسیحی دنیا میں میری کتاب نے متذکرہ نقطہ نظر سے خاص کامیابی حاصل کی ہے میں نے اس کتاب میں خالص سائنسی اور تحقیقی انداز اختیار کیا ہے اور ذاتی پسند و ناپسند سے بالاتر ہو کر کسی عقیدے یا مسلک کی بات نہیں کی اور مکمل غیر جانبداری سے اپنی تحقیقات کے نتائج کو پیش کیا ہے جہاں تک میرے مذہب اور عقیدے کا تعلق ہے، خدا اس سے خوب واقف ہے اور مجھے اس کی

وضاحت کی ضرورت نہیں ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اگر میں کسی خاص مسلک سے وابستگی کا اعلان کرتا ہوں تو اس وقت میں جو کام کر رہا ہوں وہ سب اکارت جائے گا اور لوگ مجھے ایک جانبدار آدمی قرار دے کر میری تحقیقات پر توجہ دینا چھوڑ دیں گے میں فرانس اور یورپ کی ذہنیت اور نفسیات کو خوب جانتا ہوں اور ان کے اس یقین کو متزلزل نہیں کرنا چاہتا کہ میری تحریریں کسی خاص مذہب یا مسلک کی ترجمان نہیں بلکہ خالص سائنسی اور تحقیقی حقائق پر مبنی ہیں۔

سوال! آپ کے خیال میں یورپ کے تعلیم یافتہ لوگوں میں حق و صداقت کی اشاعت کیسے کی جاسکتی ہے؟

جواب! تبلیغ کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ لوگوں سے ان کی اپنی زبان میں رابطہ قائم کیا جائے اور ان کی نفسیات، مزاج اور روایات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بات اس انداز میں کی جائے جو انہیں متاثر اور مطمئن کر سکے مثال کے طور پر میں نے اپنی کتاب "بائبل، قرآن اور سائنس" میں قرآنی حقائق کو متعارف کرانے کا ایک نیا اسلوب اختیار کیا ہے جس کے نتیجے میں اعلیٰ ترین مسیحی حلقوں نے اسے نہ صرف پسند کیا بلکہ قرآن کے بنیادی اور حتمی حقائق کو سمجھنے پر بھی آمادہ ہو گئے۔ میرے اس غیر جانبدرانہ اور غیر متعصبانہ نقطہ نظر ہی کے نتیجے میں میری دونوں کتابوں کو یورپ بھر میں وسیع پذیرائی حاصل ہوئی اور بے شمار عالم فاضل حضرات اور عام لوگوں نے خطوط کے ذریعے میرے حاصل مطالعہ کو قدر و تحسین سے نوازا انہوں نے اعتراف کیا کہ قرآن کسی انسان کی تصنیف نہیں اور یہ کہ بائبل میں واقعی تضاد اور خامیاں موجود ہیں جن کی میں نے نشاندہی کی تھی چند ہی روز قبل ایک محفل میں بعض ذمہ دار مسیحی سکالروں نے میری ان معلومات پر تحیر اور مرعوبیت کا اظہار کیا جو میں نے بائبل اور قرآن کے حوالے سے پیش کی ہیں۔

سوال! قرآن کی تفسیر و تشریح کے سلسلے میں آپ کیا رائے رکھتے ہیں؟

جواب! یہ بات بڑی افسوس ناک ہے کہ فرانسیسی زبان میں قرآن کی ایک بھی ایسی تفسیر نہیں ہے جو اس ملک کے شعور مند لوگوں کی ضروریات کو پورا کر سکے یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ زمانے کے جدید ترین تقاضوں کے مطابق قرآن کی تفہیم و تفسیر کا ایسا انداز اختیار کیا جائے جو موثر اور سود مند ہو میرے خیال میں جو شخص بھی قرآن کی تشریح کا فریضہ انجام دینا چاہے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ سب سے پہلے عربی زبان پر عبور حاصل کرے اور قرآن سے متعلقہ دیگر علوم پر بھی دسترس حاصل کرے تب وہ اس کتاب کے مفاہیم کو اپنی گرفت میں لے سکے گا۔ عام طور پر یورپ کے علماء

قرآن کے ایسے موضوعات کا تجزیہ پیش کر دیتے ہیں جن سے وہ بالکل ہی بے خبر ہوتے ہیں مثال کے طور پر قرآن میں تقریباً" ایک سو آیات ایسی ہیں جن کا تعلق طبیعات (PHYSICS) سے ہے ایک شخص جو فزکس سے نابلد ہے وہ ایسی آیتوں کی تفسیر کیسے کر سکتا ہے؟ پھر یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ ایک اچھا انشاپرداز اور صاحب طرز ادیب ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ایک شخص قرآن کی تفسیر لکھنے پر بھی قادر ہو جائے گا بلا شبہ قرآن کی تفسیر کا کام بے حد نازک ہے اس میں فکر کی کوئی خامی اور تعبیر کی کوئی غلطی قارئین پر غلط تاثر چھوڑے گی اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے کے قرآن کی معلومات دور حاضر کے حقائق سے مطابقت نہیں رکھتیں اور یہ کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے بدقسمتی سے دیگر مذاہب کی الہامی کتابوں کے ساتھ یہی المیہ گزرا تھا اس لئے مفسرین کو اس معاملے میں خاص احتیاط برتنی چاہئے اور انہیں قرآن کی تعلیمات اور مقاصد کو عملی طور پر بھی بروئے کار لانا چاہئے۔

سوال! آج کل آپ کس منصوبے پر کام کر رہے ہیں؟

جواب! میں آج کل ایک فلم بنانے کی تیاری کر رہا ہوں اس کا عنوان ہے "سائنس' قرآن اور انسان کی ابتدا" (SCIENCE QURAN AND ORIGIN OF MAN) اس سلسلے میں میرے ساتھ ملائیشیاء کی حکومت خاص تعاون کر رہی ہے اور وہاں محکمہ "دعوت اسلامیہ" اس کے لئے خاصا سرگرم ہے۔ متعلقہ فلم ساز کمپنی کے ڈائریکٹر نے اس مقصد کی خاطر پیرس کا دورہ بھی کیا ہے یہ فلم ٹیکنی کلر اور 55 منٹ پر محیط ہو گی 45 منٹ میں میں قرآن اور سائنس کے حوالے سے انسان کی ابتدا (ORIGIN) کے بارے میں پانچ حقائق بیان کروں گا باقی دن منٹ میں قرآن کا تعارف اور اس کی ضروری خصوصیات بیان ہوں گی۔ اس طرح یہ فلم غیر معمولی اہمیت کی حامل ہو گی اس کے لئے چھ لاکھ ڈالر کی رقم فراہم ہو چکی ہے اور فلم کی تیاری کا کام شروع ہو چکا ہے آغاز میں یہ دنیا کی پانچ زبانوں میں تیار ہو گی لیکن بعد میں اسے مزید پانچ زبانوں میں منتقل کیا جائے گا پہلی فلم انگریزی میں ہو گی پھر عربی میں پھر فرانسیسی اور پھر دیگر زبانوں میں ۔۔۔۔ اسے دنیا بھر میں پھیلایا جائے گا۔

نیک بختی کا راز

(امام محمد الغزالیؒ)

شاید تم کہو کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ آدمی کی سعادت و نیک بختی کا راز اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی کی سعادت کا راز معرفت الٰہی میں مضمر ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کی سعادت اس کام میں ہوتی ہے جس میں اسے مزہ اور چین نصیب ہو اور ہر چیز کا مزہ اسی کام میں ہوتا ہے جسے اس کا جی چاہے اور جی اس کام کو چاہتا ہے جس کے واسطے وہ چیز پیدا ہوئی ہو۔ جیسا کہ شہوت کا مزہ اس میں ہے کہ آدمی کی آرزو پوری ہو اور غصہ کا مزہ اس میں ہے کہ دشمن سے بدلہ لے۔ آنکھ کا مزہ اچھی چیز دیکھنے میں' کان کا مزہ اچھی آواز سننے میں اور دل کا مزہ اس امر میں ہے جو دل کی خاصیت ہے اور جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے اور وہ خاص امر کاموں کی حقیقت کا پہچاننا ہے کیونکہ یہی دل کا خاصہ ہے لیکن خواہش' غصہ اور پانچوں حواس کے ذریعے محسوسات کی پہچان تو چارپایوں کو بھی حاصل ہے اور چونکہ کاموں کی اصل حقیقت کی معرفت دل کی خاصیت ہے یہ وجہ ہے کہ آدمی جو چیز نہیں جانتا اسے دریافت کرنے کو اس کا جی چاہتا ہے اور جس کو جان لیتا ہے اس پر خوش ہو کر فخر کرتا ہے۔ جب یہ بات تجھے معلوم ہو گئی کہ دل کی لذت کاموں کی معرفت میں ہے تو یہ بھی جان لے کہ جتنی اچھی اور عمدہ چیز کی معرفت ہو گی اس سے دل کو اتنی ہی زیادہ لذت حاصل ہو گی۔ اس لئے کہ جو شخص وزیر کے رازوں سے خبردار اور واقف ہوتا ہے وہ خوش ہوتا ہے اگر وہ بادشاہ کا محرم راز ہو جائے اور اس کے امور مملکت کے متعلق واقف ہو جائے تو اس کی خوشی دو چند ہو جائے گی۔ جو شخص علم ہندسہ کی مدد سے آسمانوں کی شکل اور مقدار کو جانتا ہو وہ اس شخص کے مقابلہ میں بہت زیادہ خوش ہو گا جو شطرنج کھیلنا جانتا ہو اور جو آدمی محض شطرنج بچھانا جانتا ہے اس کے مقابلہ میں شطرنج کھیلنے والا زیادہ خوش ہو گا۔ اسی طرح ایک معلوم چیز جتنی اچھی اور عمدہ ہو گی اس کا علم جاننا بھی اتنا ہی عمدہ اور خوش کن ہو گا اور اس میں اسی قدر زیادہ لذت نصیب ہو گی۔

چونکہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں سے زیادہ اشرف ہیں بلکہ تمام چیزوں کا شرف انہی کی وجہ سے ہے۔ وہی تمام جہانوں کا بادشاہ ہے اور تمام جہان کے عجائبات اسی کی عظمت کی نشانیاں ہیں تو کسی چیز کی معرفت اللہ تعالیٰ کی معرفت سے زیادہ شریف اور مزیدار نہ ہو گی اور اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بہتر کسی چیز کا دیدار نہیں۔ اور دل اس کے دیدار کا چاہتا ہے کیونکہ ہر چیز کی طبیعت اسی خاصیت کو چاہتی ہے جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے۔

اگر کوئی دل ایسا ہو جس سے حضرت حق کی معرفت کی خواہش زائل ہو گئی ہو تو وہ دل اس بیمار کی مانند ہے جسے کھانے کی خواہش نہ رہی ہو اور روٹی کی بہ نسبت مٹی اسے بھلی معلوم ہوتی ہو۔ اگر اس بیماری کا علاج نہ کریں جس سے اسے دوبارہ کھانے کی خواہش پیدا ہو تو وہ بیمار بڑا بد نصیب شمار ہو گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ اسی طرح وہ شخص جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کے مقابلہ میں دوسری چیزوں کی زیادہ خواہش ہے وہ بھی بیمار ہے۔ وہ اس جہان میں بدبخت متصور ہو گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ تمام خواہشات اور محسوسات کی لذتیں چونکہ آدمی کے بدن سے تعلق رکھتی ہیں اس لئے آدمی کی موت کے ساتھ ہی وہ زائل ہو جائیں گی اور ان خواہشات کے لئے اس نے جو مشقت برداشت کی وہ بھی رائیگاں جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی لذت کا تعلق چونکہ دل سے ہے اس لئے وہ مرنے کے ساتھ زائل ہو جانے کی بجائے دوچند ہو جائے گی اس لئے کہ دل مرتا نہیں اور معرفت جس کا تعلق دل سے ہے برقرار رہتی ہے بلکہ دل کہیں زیادہ روشن ہو جائے گا۔ دل یا روح کو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری چیزوں کی خواہشات سے جتنی تکلیف ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت سے اسی قدر زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے۔

اخلاق اور اخلاقیات

(چوہدری محمد حسین)

محبت

ذرا غور کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ محبت کے بغیر صرف عدالت پر قائم معاشرہ گو ہر طرح سے خوش حال اور پر امن ہو گا اللہ کے سوا کوئی کسی کا محتاج نہیں ہو گا (کس نہ بود محتاج کس) مگر افراد معاشرہ میں باہمی ربط الفت و مودت' ایثار و قربانی کا فقدان ہو گا۔ کیونکہ عدل اور محبت میں کوئی علاقہ نہیں ہے لہٰذا معاشرے کا رنگ پھیکا پھیکا اور خشک خشک ہو گا اس لئے عدل سے بڑھ کر اگر معاشرہ کی بنیاد محبت پر رکھی جائے تو یہ زیادہ خوش حال اور خوشگوار ہو گا۔ گو حکما نے محبت کو شہوت کی تہذیب کر کے وجود میں آنے والی فضیلت کہہ کر عدالت کے ذیل میں شمار کیا ہے مگر بعض کے نزدیک محبت ایک مستقل نفسانی ملکہ ہے جو ہر انسان میں بطور ایک جوہر موجود ہے۔ آدمی کو انسان اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کی بنیاد انسیت یا انس پر ہے اور ہر شے کا کمال اپنے بنیادی جوہر کی نشوونما ہے لہٰذا انسان کا کمال انسیت و محبت کے کمال پر ہے اس لئے اگر لوگوں میں محبت اور دوستی کا رشتہ مضبوط ہو جائے تو عدالت کی ضرورت ہی نہیں رہتی کیونکہ لوگ محبت کی وجہ سے ایک دوسرے سے ایثار کرتے ہیں اور حدیث رسول ﷺ کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے لئے وہی پسند کرتے ہیں۔ جو اپنے لئے پسند کرتے ہیں جب یہ خلق عام ہو جائے تو ظاہر ہے مجرد عدل کی ضرورت نہیں رہتی۔ یاد رہے ایثار ہی کا راستہ مرتبہ احسان تک پہنچاتا ہے جو انفرادی خلق انسانی کی معراج ہے اور تمام انسانی فضائل کا جوہر ہے لہٰذا محبت اس اعتبار سے عدالت پر فائق ہے۔ فضل اور رحمت کا تعلق بھی محبت ہی سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی یہ صفات باقی تمام صفات پر حاوی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی کہیں بھی اپنا تعارف صفت عدل کے ساتھ نہیں کروایا بلکہ صفت فضل کے ساتھ کروایا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا واللہ ذوالفضل العظیم اسی لئے عارف کھڑی میاں محمد بخش صاحب نے فرمایا ہے۔

عدل کریں تے تھر تھر کنبن اوچیاں شاناں والے
فضل کریں تے بخشے جاون میں جئے منہ کالے

لہذا کائنات میں جمالیات کا عنصر محبت ہی کے دم قدم سے ہے محبت ہی کا دوسرا نام عشق ہے عشق کے بحر عمیق کے غواص و شناور مولوی غلام رسول صاحب" عالپوری مصنف "احسن القصص" (یوسف زلیخا) کے مطابق عشق ہی کی بدولت عالم الفس و آفاق میں زندگی کی رونقیں ہیں عشق ہی ہر تعمیر کا معمار ہے عشق نہ ہو تا تو باہمی مخاصمت و تخریب کا دور دورہ ہو تا لہذا فرماتے ہیں۔

دل بے عشق نہیں دل موٹے پنجراں وچ خوابے
تن بے درر دلاں دا مٹی گھن رلائی آبے
عشق بناں تن دشمن دل دا تے دل دشمن تن دا
ویری نال پیاوس ویری واسا خار چمن دا
عشق بناں دل مردہ غافل کس گنتی وچ آوے
عشق دلاں نوں صقل غماں تھیں کر شمشیر دکھاوے
مزہ نہیں بن عشقوں دل نوں تے نہ رشنائی
غم برہوں دی لذت باجھوں دل نوں ذوق نہ کائی
ذوق دلے نوں عشق وراوں ثابت کرے جے کوئی
اس غافل نوں اس درگاہے ہر گز ملے نہ ڈھوئی
بے خبراں نوں خبر نہ عشقوں کر دے کوڑ دوہائیاں
در منداں نوں بیدر داں دے درد مثال دوائیاں
عشق ہنیری جیں سر جھلے کھاون جگر ہو لارے
خودی تکبر مان غرورت جان پلک وچہ مارے

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو" کے مطابق بھی فضیلت عشق ہی عرفہ و اعلیٰ اور ذریعہ قرب الٰہی ہے لہذا فرماتے ہیں۔

جس منزل تے عشق پہنچاوے اوتھے غوث نہ پاندے پھیرا ہو
غوث قلب سب ارے اریرے عاشق جان اگیرے ہو

علامہ علیہ رحمت فرماتے ہیں۔

منزل عشق بسے دور دراز است ولے
طے شود جادہ صد سالہ با ہے گاہے

"عشق کی منزل گو بہت دور ہے مگر کبھی کبھی سو سال کا راستہ ایک ہی آہ سے طے ہو جاتا ہے"

عشق اول عشق آخر عشق کل
عشق شاخ و عشق نخل و عشق گل

اسی طرح پیر رومیؒ پر درد کی دوا مرض کا علاج عشق ہی کو بتاتے ہیں لہٰذا فرماتے ہیں۔

شاد باد اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے کہ نخوت و ناموس ما
اے کہ افلاطون جالینیوس ما

لہٰذا ایجاد کائنات کا مبدا ہی محبت ہے جیسے حدیث قدسی میں ہے جس کا مفہوم ہے "میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا" اسی حقیقت کو بابا وارث شاہ نے اپنے الفاظ میں یوں فرمایا ہے۔

اول حمد خدائیدا ورد کیجے عشق کیتا سو جگ دا مول میاں
پہلوں آپ خدا نے عشق کیتا تے معشوق ہے نبی رسولﷺ میاں

اہل دانش پر یہ واضح ہے کہ پہچان محبت سے اور محبت پہچان سے ہوتی ہے یعنی جب تک کسی چیز کو پہچاننے کی لگن جنوں اور عشق کی حد تک نہیں ہو گی پہچان اور معرفت حاصل نہیں ہو سکتی جب تک معرفت حاصل نہیں ہو گی اس وقت تک حقیقی محبت نہیں ہو سکتی۔ پہچان کے لئے لگن شوق جستجو طلب اور خواہش سب عشق و محبت ہی کی قسمیں ہیں مگر پہچان کے لئے شوق و محبت میں اور پہچان کے بعد پیدا ہونے والی محبت میں ایک لطیف سا فرق ہوتا ہے جو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا صرف محسوس کیا جا سکتا ہے جس طرح چنبیلی اور گلاب کے پھول کی خوشبو علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے مگر اس فرق کو بیان نہیں کیا جا سکتا صرف قوت شامہ ہی کے ذریعے محسوس کیا جا سکتا ہے اس حقیقت کو کسی نے کیا خوب بیان کیا ہے۔

فصل و وصل لذت جدا گانہ دارند
ہزار بار برو صد ہزار بار بیا

اسی شعر کا ترجمہ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے کس خوبصورتی سے کیا ہے فرماتے ہیں۔

بھائیں ہجر تے بھائیں وصال ہوئے دکھو دکھ دوہاں دیاں لذتاں نیں

میرے پیاریا جا ہزار واری آ جا پیاریا تے لکھ وار آ جا

تخلیقی اعتبار سے محبت کی دو اقسام ہیں ایک طبعی ایک اختیاری۔ طبعی محبت وہ ہے جو طبیعت میں جبلی طور پر ودیعت کی گئی ہے جس طرح اولاد کی محبت' مال کی محبت' عورتوں کی محبت وغیرہ جسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے زین للناس حب الشھوت من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضہ والخیل المسومیہ والانعام والحرث

"لوگوں کے لئے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت' عورتیں' بیٹے اور اوپر تلے سونے چاندی کے ڈھیر' نشان کئے ہوئے گھوڑے' چوپائے اور کھیتی" یہ محبتیں غیر اختیاری ہیں انسان ایسی مرغوب چیزوں سے محبت کرنے پر طبعاً مجبور ہے مگر ان محبتوں کو جو دراصل نفسانی خواہشات ہیں اعتدال پر رکھنا فضیلت ہے اور مطلوب ہے۔ اگر یہ حد اعتدال سے بڑھ جائیں تو لذائذ کام و دہن حرص' کبر اور بخل جیسی رزالتوں کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اگر انسان ان ہی میں منہمک ہو کر اپنے رب کو بھول جائے تو اس کو دنیا کہتے ہیں بصورت دگر مذکورہ اشیاء سے بقدر حاجت متمتع ہونا عین نیکی ہے جیسے مولانا رومؒ نے فرمایا۔

چیست دنیا؟ از خدا غافل بدن

نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

دنیا کیا ہے؟ خدا سے غافل ہو جانا مال و متاع اور بیوی بچے نہیں۔ ماں کی محبت (ممتا) بے لوث ہوتی ہے پاک ہوتی ہے اس کا بدل محال ہے مگر جبلی ہے (جو ماں اولاد سے محبت نہیں کرتی اس کی فطرت مسخ شدہ ہوتی ہے) للذا یہ محبت بھی نفس کا کمال نہیں۔ ایسی محبتوں میں اکثر بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے معاملہ اگر اپنے محبوب اور عام شخص سے آن پڑے تو اکثر و بیشتر عدل کا خون ہو جاتا ہے اسی لئے خواجہ عبد الحکیم انصاریؒ نے عالمگیر محبت اختیار کرنے کی تلقین فرمائی اور صداقت پر محبت کو قربان کرنے کی تاکید فرمائی ہے کیونکہ اگر محبت عالمگیر ہو گی اور رضائے الٰہی کے لئے ہو گی تو عدل کے دروازے پر جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔ اصل میں محبت کے اعتبار سے جو نفس کا کمال ہے وہ اختیاری محبت اور عالمگیر محبت ہے وہ بھی بے لوث اور صرف رضائے الٰہی کے لئے کسی بھی قسم کی طمع اور لالچ کے بغیر۔ یاد رہے ہر خلق کی اصل اخلاص ہے اور اخلاص کا مطلب

ہے نیت کا بیان واقعہ یا صدور فعل کے مطابق ہونا (بات ذرا تفصیل ہو گئی ہے) دوسرے لفظوں میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ خیر، نیکی یا اخلاقی فضیلت تب وجود میں آتی ہے جب اچھے فعل یا قول کے پیچھے نیت بھی قول و فعل کے مطابق ہو اور مدعا رضائے الٰہی ہو مثال کے طور پر ایک شخص عدالت میں سچی شہادت دیتا ہے جس کی بنا پر جج مجرم کو سزا دے دیتا ہے اب گو یہ فعل افضل نظر آتا ہے مگر گواہ نے اس لئے سچی شہادت دی کہ ملزم کے ساتھ اس کی دشمنی تھی اور جج نے اس لئے سزا دی کہ اسے رشوت نہیں ملی للذا بظاہر یہ نیک کام ہے مگر باطناً" فعل شنیع ہے یعنی ہر نیکی کا کام اس وقت خیر کہلاتا ہے جب اس کے پیچھے حصول رضائے الٰہی کا جذبہ اور نیت کار فرما ہو۔ اگر آدمی اس لئے خوش خلق ہے کہ معاشرہ میں اس کی عزت ہو گی تو اس کی خوش خلقی عنداللہ فضیلت یا خیر نہیں للذا نیت کا درست ہونا ہی نیکی ہے نیت رضائے الٰہی ہو تو نیکی کے ساتھ ساتھ شہرت تو مفت مل جائے گی جیسے کوئی شخص دودھ کی نیت سے بھینس خریدے تو دودھ کے ساتھ ساتھ گوبر تو مفت میں مل جائے گا تو گوبر کے حصول کی نیت سے بھینس خریدنا کتنا گھٹیا سودا ہے۔

محبت کا پہلا درجہ اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ سے محبت پھر والدین اور اقارب سے محبت اس کے بعد علماء و صلحاامت اور جمیع مومنین سے محبت اور پھر تمام مخلوق سے محبت۔ یاد رہے کہ محبت ایک قلبی کیفیت کا نام ہے اس لئے مندرجہ بالا محبتوں میں کسی مادی پیمانے سے فرق ظاہر نہیں کیا جا سکتا الفاظ تو ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں مگر نسبت کے لحاظ سے معنوی کیفیت بدل جاتی ہے اور جتنا زیادہ کوئی اللہ تعالیٰ کا محبوب ہو گا اسی قدر وہ مخلوق کا محبوب ہو گا یعنی ماسوا سے محبت، حصول محبت الٰہی کے لئے ہو تو محمود ہے بصورت دیگر مذموم۔

چونکہ مذکورہ محبتیں اختیاری ہیں طبعی نہیں ہیں اس لئے خود بخود نہیں ہوتیں۔ انہیں حاصل کرنے کے لئے کچھ محنت درکار ہے یہ جو کہا جاتا ہے کہ محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے وہ طبعی محبت ہوتی ہے یا شہوانی، تمام محبتیں چونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہیں، خود مطلوب و مقصود نہیں اس لئے حقیقی محبت اللہ تعالیٰ سے محبت ہے باقی سب ذرائع ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے محبت جتنی ضروری ہے اتنی ہی مشکل ہے یہ جو اللہ کی محبت کے دعوے کئے جاتے ہیں اگر دعویدار اس کا تجزیہ کریں تو معلوم ہو گا کہ یہ صرف (الا ماشاء اللہ) اقرار باللسان کی حد تک ہے تصدیق بالقلب کی کیفیت حاصل نہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا مطالبہ ہے کہ اسے نفس میں یاد کیا جائے یعنی اس کا ذکر خواہش کے ساتھ کیا جائے صرف زبانی نہیں۔ (جاری ہے)

سائنس و ٹیکنالوجی

اعضا سازی کے لئے انسانی جنین کی کلوننگ کا آغاز

برطانیہ میں انسانی جنین کی کلوننگ کی اجازت دیدی گئی ہے اس طرح پیوند کاری کے لئے انسانی خلیات اور ٹشو بنائے جاسکیں گے' برطانیہ دنیا میں پہلا ملک ہے جس نے اس کام پر عائد پابندی ہٹائی ہے یوں اب علاج معالجہ کے لئے کلوننگ عام ہو جائے گی' سائنسدان کسی بھی ایک جنین کے متعدد کلون تیار کر کے دماغ کے STEM کے لئے خلیات بنا سکیں گے' یوں نئے طبی امکانات کا دروازہ کھل گیا ہے لہٰذا امراض کا نیا علاج تلاش کیا جاسکے گا اور زخمی ہونیوالوں کو معذوری سے بچایا جاسکے گا۔

برطانیہ کی حکومت نے اس آزادی کے غیر قانونی و غیر اخلاقی استعمال کو روکنے کے لئے قانون سازی کا فیصلہ کیا ہے' برطانیہ دنیا کا پہلا ملک ہو گا جس نے انسان کلوننگ کی اجازت دی ہے۔

اس تحقیق کی اساس اسٹیم کے خلیات ہیں یہ ہر جسمانی نظام کو جنم دینے والے خلیات ہوتے ہیں 14 روزہ انسانی جنین کے انفرادی اسٹیم خلیات میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ کسی بھی عضو کے خلیات میں خود کو ڈھال لیں مثلاً" وہ خون' ہڈیوں' دانتوں یا کسی اور عضو کے خلیات میں تبدیل ہو سکتے ہیں' سائنس دانوں کو یقین ہے کہ ابتداء ہی میں جبکہ انہوں نے خود کو مختلف اعضاء میں نہیں ڈھالا ہوتا اگر یہ خلیات حاصل کر لئے جائیں تو پھر لیبارٹری میں ان کی کاشت ممکن ہے۔

مستقبل میں اس بات کے روشن امکانات ہیں کہ تباہ شدہ دماغی خلیات کی جگہ لینے کے لئے لیبارٹری میں نئے خلیات کاشت کئے جائیں اور مریض میں پیوند کاری کر دی جائے' آگ سے جھلنے اور جلنے والی جلد کی پیوند کاری کے لئے جلد کے خلیات اور انسولین پیدا کرنے کے لئے لبلبہ کے خلیات کی کاشت کی جاسکتی ہے تاکہ ذیابیطس کے مریض صحت یاب ہو سکیں۔

اس ٹیکنالوجی کے امکانات لامحدود ہیں لیکن ابھی تحقیق سے دیکھنا یہ ہے کہ کتنے امکانات کو عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے اس ٹیکنالوجی کی اہم بات یہ ہے کہ اس میں مریض سے حاصل شدہ خلیات کی کلوننگ کر کے اس سے جنین بنایا جائیگا اس طرح چونکہ جنین اور مریض کے خلیات جنیاتی طور پر ایک جسے ہوں گے لہٰذا مریض کا جسم انہیں رد نہیں کرے گا' سیاست دان جنین کے STEM خلیات سے عضلات اور اعصاب کے خلیات اگانے میں کامیاب ہو چکے ہیں فی الوقت پیوند کاری کے عمل میں سب سے بڑی مشکل یہ ہوتی ہے کہ مریض اور عطیہ دینے والے کی جنین مختلف ہوتی ہے جس کی بناء پر مریض کا جسم پیو کاری کو مسترد کرتا ہے۔

اس ٹیکنالوجی کے مخالفین کا کہنا ہے کہ یہ انسانی زندگیوں کا قتل عام ہو گا کیونکہ جنین کے خلیات کلون کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ انسانی زندگی کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کر کے اسے قتل کر دیا جائے' ایک تنظیم نے اسے "آدم خوری" قرار دیا اس کا کہنا ہے کہ جنین انسانی زندگی کی کمزور ترین حالت ہوتی ہے اور اس کا استحصال کرنا انسانی کمزوری سے فائدہ اٹھانا ہے۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ ہمیں انسانی کلوننگ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ بالغ افراد کے STEM خلیات حاصل کر کے دوائیں بنانے کا انقلابی عمل کامیاب ہونیوالا ہے جس سے طب کی دنیا میں انقلاب آ جائیگا ایسے میں کلوننگ غیر ضروری ہے۔

لیکن امریکن جرنل آف بایو ایتھکس کے ایڈیٹر انچیف ماہر اخلاقیات گلین مک گی کا کہنا ہے کہ مجھے اسٹیم خلیات کی کاشت میں کوئی اخلاقی قباحت نظر نہیں آئی کیونکہ یہ جنین کے خلیاں ہوں گے اور جنین جاندار نہیں ہو گا یعنی اس نے انسانی حیات اختیار نہیں کی ہو گی ان کا کہنا ہے کہ امریکہ میں بحث کا موضوع جنین پر تحقیق ہے کلوننگ نہیں' انہوں نے کہا کہ stem خلیات پر تحقیق دراصل انسانوں کی کلوننگ نہیں ہے لیکن برطانیہ میں عام افراد کے زیر بحث موضوع انسانی کلوننگ ہے حالانکہ برطانیہ میں انسانی کلوننگ پر عائد پابندیاں امریکہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ سخت ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ وہاں انسان کی کلوننگ کی جا سکے۔

1997ء میں سیاست دانوں نے ڈولی نامی بھیڑ سے اس کا ہو بہو کلون تیار کیا تھا اسے تولیدی کلوننگ قرار دیا گیا ہے اس ٹیکنالوجی کے ذریعہ ایک انسان کے مخصوص خلیات سے اس جیسا دوسرا انسان کلون کیا جا سکتا ہے لیکن اس عمل پر سخت پابندی ہے STEM خلیات کی کلوننگ کو تولیدی کلوننگ سے یکسر مختلف قرار دیا جا رہا ہے۔

ڈولی کا کلون اس طرح بنایا گیا تھا کہ ایک جنین میں بالغ بھیڑ کا جنیات مواد ڈالا گیا جس کے نتیجہ میں جنیاتی مواد کے مماثل دوسری بھیڑ نے جنم لیا لیکن صدر کلنٹن نے فوری طور پر انسانی کلوننگ کو ممنوع قرار دیدیا تھا اس ضمن میں سرکاری رقوم کے استعمال پر پابندی عائد ہے اور ایسے کسی بھی پروجیکٹ پر کام نہیں کیا جا سکتا۔ بھیڑ کی کلوننگ کے بعد دنیا بھر میں مختلف اور متعدد جانوروں کی کلوننگ کامیابی کے ساتھ جاری ہے ان میں گائیں' بندر' چوہے اور سور شامل ہیں۔ 1998ء میں شکاگو کے سائنس دان ڈاکٹر رچرڈ سیڈ نے اعلان کیا تھا کہ وہ حکومت کی پابندیوں کے باوجود انسانوں کی کلوننگ کریں گے اس مقصد کے لئے نجی شعبہ سے سرمایہ حاصل کیا جائیگا لیکن ماہرین کا کہنا ہے کہ مستقبل قریب میں ایسا ہونا ممکن نہیں۔

پیغام

ادارہ فلاح آدمیت کی جانب سے شیخ سلسلہ قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب مجازین کرام، خادمان حلقہ، برادران سلسلہ و قارئین کو رمضان المبارک کی آمد کی خصوصی مبارک باد قبول ہو سب بھائی پیشگی عید مبارک بھی قبول فرمائیں۔

سالانہ تعلیمی دورہ

شیخ سلسلہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب نے تمام برادران سلسلہ کے لئے یہ ہدایات جاری فرمائی ہیں کہ ہر بھائی سالانہ اجتماع سے قبل بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تصانیف کا مطالعہ لازمی کیا کرے گا۔ اس طرح پوری تعلیم ذہن نشین ہو جائے گی اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔ پروگرام کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1۔ تعمیر ملت	وقت مطالعہ چار ہفتے	ماہ جنوری
2۔ چراغ راہ	وقت مطالعہ چار ہفتے	ماہ فروری
3۔ طریقت توحیدیہ	وقت مطالعہ دو ہفتے	ماہ مارچ
4۔ حقیت وحدت الوجود	وقت مطالعہ دو ہفتے	ماہ مارچ

زندگی اور موت کا سوال

- جب ہمارا دین مکمل، ہمارا نبی ﷺ برحق اور ہمارا قرآن اللہ تعالےٰ کی سچی کتاب ہے تو پھر ملت اسلامیہ کے زوال کی وجہ کیا ہے؟
- جب اللہ تعالےٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو تمہیں غالب رہو گے اور یہ بھی کہ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تو پھر ہم اسقدر مغلوب بے بس اور رسوا کیوں ہیں؟
- مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور حج بھی پہلے سے زیادہ کرتے ہیں۔ بزرگوں کے مزاروں پر عرس بھی خوب شاندار طریقہ سے مناتے ہیں۔ ماہ محرم میں بھی کیا جوش و خروش ہوتا ہے۔ مالدار بھی بہت ہیں اور لاکھوں لوگ کوٹھیوں، کاروں اور کارخانوں کے مالک ہیں تو پھر یہ مردنی کیوں ہے اور یہ تنزل کیوں ہو رہا ہے؟
- ہر طاقتور ملک کی نظریں ہمارے ملکوں پر کیوں لگی ہیں اور ہر طرف خون مسلم اسقدر بے دردی اور ارزانی کے ساتھ کیوں بہایا جا رہا ہے؟
- نکبت وادبار کی موجودہ حالت سے نکلنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں اور کونسے لائحہ عمل پر چل کر ہم اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں؟

FALAH-E-ADMIAT

Registred

CPL No. 491

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت — اللہ — محبّت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل

بانی سلسلہ کی تصانیف

"چراغ راہ" خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر مریدین کی تربیت اور راہنمائی کے لئے جو خطبات ارشاد فرماتے رہے یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے اس میں نئے سلسلہ کے قیام کے اغراض و مقاصد تفصیل سے درج کرنے کے علاوہ راہ سلوک کے پیچ و خم' نشیب و فراز اس میں پیش آنے والی رکاوٹیں اور پیدا ہو جانے والی غلط فہمیاں بیان کر دی گئیں ہیں اور صدیوں سے حل طلب روحانی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے ایسے اچھوتے نادر نکات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ گیارہ خطبات ملت اسلامیہ کے لئے درس حیات اور سالکین کے لئے منارہ ہائے نور کی حیثیت رکھتے ہیں وہ خصوصی مسائل جن پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ ہیں۔

☆ سلوک و تصوف میں اپنے ذاتی تجربوں اور تحقیق کا بیان۔

☆ مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور میں کیسے کیسے فقیر ملے اور مرشد سے ملاقات کا حال۔

☆ ہمارے زوال میں امراء علماء اور صوفیاء نے کیا کردار ادا کیا؟

☆ علماء ظاہر اور اہل روحانیت صوفیاء کے اصلاح کے طریقوں میں کیا فرق ہے۔

☆ قوم میں تصوف خفتہ اور تصوف بیدار کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟

☆ تصوف کی اہمیت اور انسان کی زندگی پر اس کے اثرات۔

☆ عقل صمیم، عقل سلیم اور قلب سلیم کیا ہیں اور ان سے ہمیں کیا ملتا ہے۔

☆ یوگا' ہپناٹزم اور مسمریزم کی حقیقت اور انکے مقابلہ میں اسلامی روحانیت کی برتری اور فضیلت

☆ کرامات کی طاقت کس طرح حاصل ہوتی ہے اور کشف کیونکہ ہوتا ہے؟

☆ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی؟